چلتی لاشیں

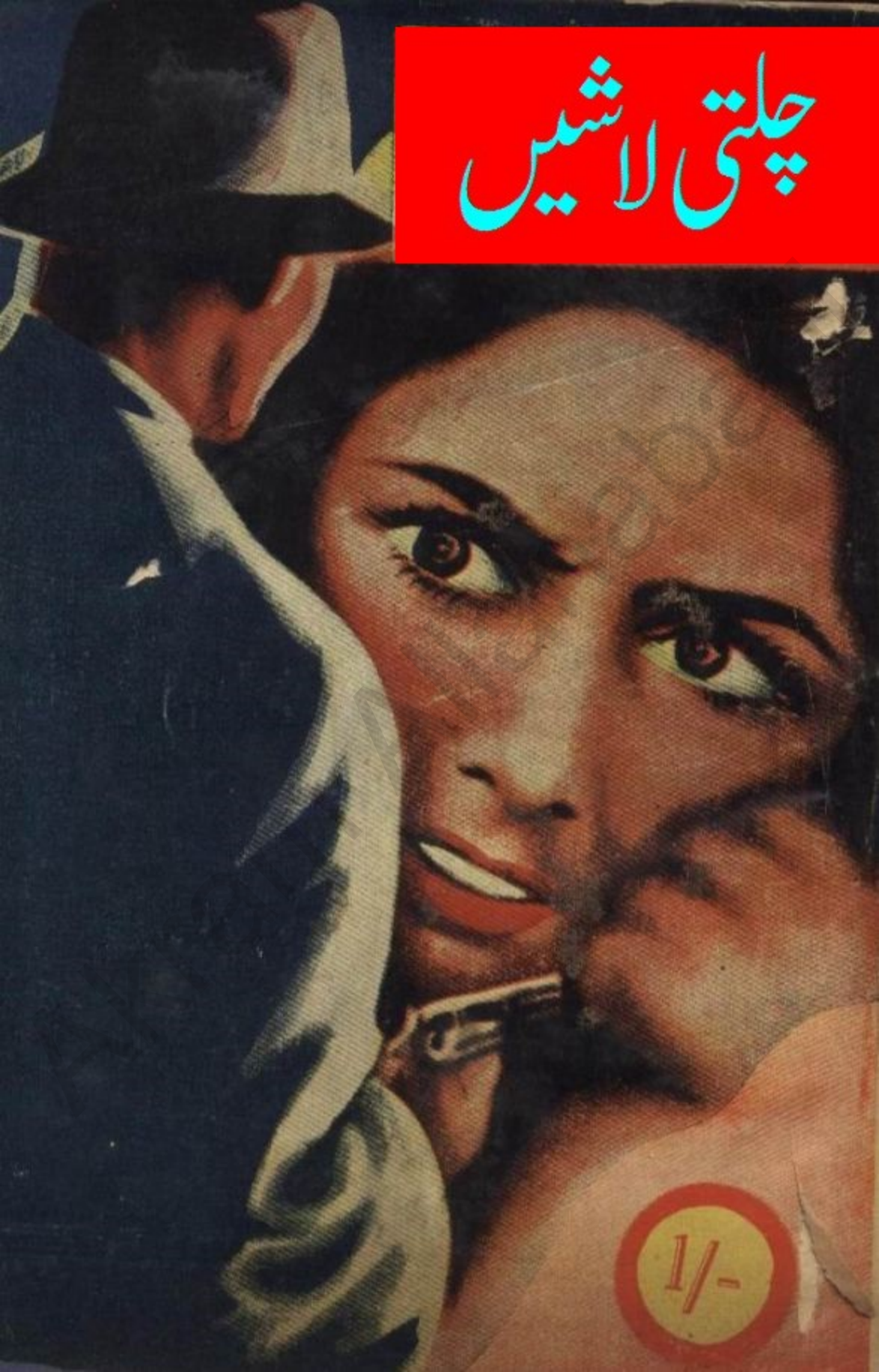

1/-

جاسوسی دائرہ سیریز

چلتی لاشیں

اکرم الہ آبادی

Akram Allahabadi

فرحت پبلیکیشنز۔ممبئی۔انڈیا

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

اس ناول میں شائع ہونے والے تمام واقعات،
مقامات و کردار فرضی ہیں۔اس سے کسی طرح
کی مطابقت محض اتفاقیہ ہے۔جس کی مصنف،
پبلشر و پرنٹر پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

اس ناول کی دوبارہ اشاعت، ترجمے یا کسی اور مقصد سے استعمال کے
لئے پبلشر کی تحریری اجازت ضروری ہے ورنہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

پرنٹر:۔۔۔۔۔ممبئی۔انڈیا

Akram Allahabadi

مردہ زندہ ہوگیا

ان کی آنکھیں حیرت سے پھیلی رہ گئیں اور زبانیں گنگ ہوگئیں۔ جو کچھ وہ دیکھ رہے تھے یا تو وہ معجزہ تھا یا خواب یا طلسم۔ کچھ دیر تک تو ان پر سکتہ طاری رہا اور دماغ جیسے سن ہوگئے مگر پھر وہ چیخیں مار مار کر بھاگنے لگے۔ کیوں کہ نصراللہ بیگ ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کی آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتی تھیں۔ کیوں کہ ان میں سے زیادہ تر لوگ وہی تھے جو برسوں نصراللہ بیگ کے ساتھ رہے تے اور کچھ تو آخری وقت تک ساتھ تھے۔ آخری وقت تک ساتھ رہنے والوں میں نصراللہ بیگ کے دونوں لڑکے اور داماد تھے جو اپنے ہاتھوں سے انھیں رات کو ۲ بجے شہر کے بڑے قبرستان میں منوں مٹی کے نیچے دفن کر آئے تھے۔

اور وہ لوگ بھی تھے جو انھیں غسل دینے میں، کفنانے میں شریک تھے۔

نصراللہ بیگ کا انتقال گذشتہ شب ۸ بج کر ۳۵ منٹ پر ہوا تھا۔ ڈاکٹروں نے اسی وقت تصدیق کر دی تھی۔ ان کے تمام قریبی اعزہ شہر میں ہی رہتے تھے۔ اس لیے انھیں فوراً اطلاع پہنچ گئی اور اس طرح ۲ بجے تک ان کی تجہیز و تکفین کر دی گئی۔

لیکن ان کی آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی تھیں، وہ خواب بھی نہ ہوسکتا تھا، کیوں کہ ابھی ابھی وہ سب آپس میں ان ہی کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ مرحوم کی خوبیاں گنائی جا رہی تھیں۔ کنجوسیاں بھی گنائی جا رہی تھیں۔

دوسرے لوگ تو چلے گئے تھے۔ یہاں موجود لوگ زیادہ تر ان کے قریب اور دور کے رشتے دار یا بہت قریب کے ملاقاتی تھے۔ پھر ان کی نظریں کیسے دھوکا کھا سکتی تھیں۔

آنے والا نصراللہ بیگ کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔ سراپا وہی۔ حتیٰ کہ انداز رفتار وہی اور ماتھے پر وہی زخم کا نشان جو ان کے عہد جوانی کے کسی حادثے کی یادگار تھا۔ ان کے

Akram Allahabadi

چہرے پر کافور کی چمک تھی۔مگر زردی بھی تھی، ویسی ہی جو انھیں غسل دیتے وقت ان کے مردہ چہرے پر دیکھی گئی تھی۔

تو پھر کیا یہ ان کی روح تھی۔

مگر روح دن دھاڑے اور اس طرح علی الاعلان کیسے آ سکتی تھی، اگر وہ آ بھی سکتی۔

کسی کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔

شور باہر سے بھی سنائی دیا۔

مالی اور ملازم بھی یہی چیخ رہے تھے اور دربان تو ڈر کے مارے سڑک کی طرف بھاگ گیا تھا۔

اندر بھی کھلبلی مچ گئی۔عورتیں تو سنتے ہی چیخیں مارنے لگیں اور نصر اللہ بیگ کی بوڑھی بیوی کو تو جیسے سکتہ ہو گیا۔وہ گم سم سی دروازے پر آ کھڑی ہوئیں۔لوگ کترا کر اِدھر اُدھر آڑ میں ہو گئے تھے۔نصر اللہ بیگ اپنا کفن ہی سفید چادر کی طرح لپیٹے ہوئے تھے۔ان کے راستے سے تمام لوگ دور ہٹتے گئے۔

بیسویں صدی کے اس عجوبے پر ان کی عقلیں حیران تھیں۔انھوں نے ایسی من گھڑت روایات تو سنی تھیں، مگر اپنی آنکھوں سے ایسا حیرت ناک واقعہ کبھی نہ دیکھا تھا۔

برآمدے سے خاموشی کے ساتھ گزرتے اور ایک ایک پر نظر ڈالتے نصر اللہ بیگ اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر خود اندر داخل ہو گئے۔

کچھ دیر تو لوگ جمگھٹ کی صورت میں دروازے کے باہر آ کر جمع ہو گئے۔اندر جانے کی جرأت کسی کی نہیں ہو رہی تھی۔نصر اللہ بیگ پہلے تو کمرے کی ایک ایک چیز کو دیکھتے رہے پھر خود خوشی سے ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔

''تم جاؤ اندر۔'' ان میں سے ایک نصر اللہ بیگ کے لڑکے کو اندر دھکیلنے لگا۔شاید ان کا لڑکا بھی باپ کے پاس جاتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔

Akram Allahabadi

''مردہ زندہ ہو کر آ گیا ہے۔کون ہمت کرے گا پاس جانے کی؟''ایک بوڑھے آدمی نے کہا۔

''اللہ رحم کرے، نہ جانے کیا بات ہے؟''کسی اور نے بھی زبان کھولی۔

''کچھ تو ضرور ہے، ورنہ کسی مردے کا قبر سے اٹھ کر آنا، بڑی بھیانک بات ہے یہ تو۔''ایک قریبی رشتے دار نے لرزتی کانپتی آواز سے کہا۔

اس وقت وہ مرحوم کی جائیداد کے حصے بخرے کی باتیں سب بھول گئے تھے۔اتفاق کی بات تھی کہ نصراللہ بیگ کا وکیل بھی وہاں موجود تھا۔وہ ان کے لڑکوں کچھ مرحوم کے وصیت نامے کے متعلق کچھ گفتگو کرنے آیا تھا۔وہ گجراتی آدمی تھا اور یہ حیرت ناک منظر دیکھ کر اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔اس کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

''اندر آؤ، فضل۔''نصراللہ بیگ کی آواز سنائی دی۔

سب چونک کر اندر جھانکنے لگے۔نصراللہ بیگ اپنے بڑے بیٹے کو اشارے سے بلا رہے تھے۔

''جاؤ، جاؤ۔اندر جاؤ، تم ان کے بیٹے ہو۔''فضل کو دو چار آدمیوں نے زبردستی اندر دھکیلا۔

''ہزاری لال کو بھی لاؤ۔''نصراللہ بیگ نے وکیل کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

وکیل سر سے پیر تک لرز گیا۔نصراللہ بیگ کا مردہ اسے بلا رہا تھا۔کیوں؟ یہ سوچنے سمجھنے کا اسے ہوش ہی نہ رہا۔

''اندر آ جاؤ۔مجھ سے ڈرو نہیں۔میں تمہیں کھا نہیں جاؤں گا۔''نصراللہ بیگ نے نرم دھیمی مگر پھٹی ہوئی آواز میں کہا۔مردے کو ایسی آواز میں بولتے دیکھ کر لوگوں کو فرط خوف سے جھرجھری آ گئی۔

بڑی مشکل سے سینے پر پتھر رکھ کر وہ دونوں اندر پہنچے۔ان کے پیر من من بھر کے

ہو رہے تھے۔ ہزاری لال کا تو حلق سوکھنے لگا تھا۔

''ف..ف...فرمایئے؟'' فضل نے دور ہی رکتے ہوئے گھبراہٹ کے ساتھ کہا۔

''میں واپس آ گیا ہوں۔'' بھاری آواز میں نصر اللہ بیگ نے کہا۔

''جی۔'' فضل نے کہا۔

''مجھے کچھ وصیت کرنی ہے۔ غور سے سنو۔'' وہ کہنے لگے۔

''فرمایئے؟'' فضل نے اپنی گھبراہٹ پر کسی قدر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''ہزاری لال، وصیت نامہ کہاں ہے؟'' نصر اللہ بیگ نے وکیل سے پوچھا۔

''یہ رہا، یہ رہا۔'' وکیل نے جیب سے لفافہ نکالتے ہوئے کہا۔

''یہ مجھے دو۔'' نصر اللہ بیت نے لفافہ طلب کرنے کو ہاتھ بڑھایا۔ ان کے زرد مردہ ہاتھ کو حرکت کرتے دیکھ کر ہزاری لال کو پسینہ سا آ گیا مگر اس کی جرأت نہ ہو سکی کہ اپنی جگہ سے ہلے۔ اس نے اپنا کانپتا ہوا ہاتھ بڑھا دیا۔ نصر اللہ بیگ نے لفافہ لے لیا اور اسے پھاڑ کر پھینک دیا۔

''اسی وقت دوسرا وصیت نامہ تیار کرو۔'' وہ بولے۔

''دوسرا؟'' فضل نے حلق میں تھک نگلتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔ اس میں جو کچھ مضمون تھا وہی رہے گا، لیکن میری آدھی جائیداد اپاہج لوگوں کی تربیت و پرورش کرنے والے ادارے 'ایڈ انسٹیٹیوٹ فار ہینڈی کیپس' کو دے دی جائے۔ فضل، تم خود ہزاری لال کے ساتھ جا کر یہ رقم اس کے چیئرمین کو دے آنا۔'' نصر اللہ بیگ نے بیٹے کو وصیت کی۔

''تو کیا... کیا آپ اسی کے لیے واپس آئے ہیں؟''

''مجھے نہیں معلوم میں کیوں واپس آیا ہوں۔ میں تو شاید مر چکا تھا نا؟'' وہ اسی سے پوچھنے لگا۔

Akram Allahabadi

''جی ہاں۔ہم لوگ اپنے ہاتھوں آپ کو دبا کر آئے تھے قبر میں۔''فضل نے کہا۔مگر اس وقت نہ جانے کس شبہ کے تحت ہزاری لال آگے بڑھ کر غور سے نصر اللہ بیگ کو دیکھنے لگا۔ اسے اچانک ہی شبہ ہوا تھا کہ کہیں یہ کوئی اور تو نصر اللہ بیگ کی شکل بنا کر نہیں آ گیا ہو۔مگر وہ اس شبے کی نہ تو تصدیق کا کوئی پہلو تلاش کر سکا نہ خود کچھ کہہ سکنے کی ہمت اس میں ہوئی۔

''جاؤ،جلدی سے ابھی تیار کر کے لے آؤ۔''نصر اللہ بیگ نے ہزاری لال کو حکم دیا۔ ہزاری لال نے کچھ نہ کہا وہ خاموشی سے سر ہلا کر باہر نکل گیا۔فضل بھی اٹھنے لگا۔

''تم کہاں چلے؟ بیٹھے رہو میرے پاس۔''نصر اللہ بیگ نے اچانک اس کا ہاتھ تھام لیا۔فضل کے سارے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔نصر اللہ بیگ کا ہاتھ برف کی طرح سرد ہو رہا تھا،مردہ،ٹھٹھرا ہوا،سرد ہاتھ۔اگر چہ وہ اس کے باپ کا ہی ہاتھ تھا،لیکن وہ باپ جو مر چکا تھا،جو اس کی آنکھوں کے سامنے مرا تھا اور جس کی تجہیز و تکفین اس نے خود کی تھی۔''بیٹھے رہو،میری بات سنو۔دیکھو زمانہ بہت نازک ہے۔آدمی کے پیٹ سے اونٹ کے درخت پیدا ہو رہے ہیں اور آسمان میں یہ جو چمکتی ہوئی قندیلیں دیکھتے ہو نا تم،یہ روحوں کے گھر ہیں۔مرنے والوں کی روحیں اس میں قید کر دی جاتی ہیں۔قیامت تک کے لیے۔مگر تم نے بکرا کھایا یا نہیں۔تم دبلے بہت دکھائی دے رہے ہو۔شاید تمہیں کوئی موسمی ہوا لگ گئی ہے،میرے بیٹے،پوچ۔میرے مرنے پر تو تم نے بہت آنسو بہائے ہوں گے،مگر مجھے تو کوئی دکھ نہیں پہنچا۔بس ایسا لگتا تھا جیسے میں اڑ رہا ہوں،آسمان میں،ایک بگولے کی طرح اور پھر کسی نے جیسے میری گردن مروڑ کر مجھے اس پنجرے میں ڈال دیا۔جیسے ایک غیبی آواز آئی،تم بھول کر آئے۔جاؤ اس امانت کو لوٹا کر اپنا کام پورا کر دو۔جاؤ تمہیں مہلت دی جا رہی ہے تا کہ تمہارے گناہوں کا بار کچھ کم ہو سکے۔میں نے حیران ہو کر اس تاریکی میں دیکھا۔وہ قبر کی بھیانک تاریکی تھی،بیٹے۔اتنی بھیانک جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔تاریکی نے کہا''تم نے ایک اپاہج کی پونجی پر اپنا محل کھڑا کیا تھا۔جاؤ اپنا نصف ان اپاہجوں کو لوٹا دو''جانتے ہو،میرے بیٹے،کون تھا وہ اپاہج۔وہ میرا بھتیجا تھا۔میں

نے جس کے باپ کی چھوڑی ہوئی دولت سے دنیا کی دولت کمائی تھی۔ وہ بھٹک بھٹک کر ایک موٹر کے حادثے کا شکار ہوگیا۔ اف، میرا خدا مجھے معاف کردے، میں ظالم تھا۔ میں کمینہ تھا۔ اے ارحم الراحمین، مجھے معاف کردے۔'' یہ کہہ کر وہ دھاڑے مارنے لگے۔ فضل گھبرا کر اور دور ہٹ گیا۔ اس لیے کہ اس قدر رونے پر بھی ان کی آنکھوں ایک آنسو نہیں نکل رہا تھا، وہ خشک اور ویران نظر آرہی تھیں۔ ان میں کسی بجھتے دیے کی مدھم روشنی جیسی پھیکی سی بجھتی ہوئی چمک تھی۔ وہ بہت دراؤنی لگتی تھیں۔ مردے کی آنکھیں، سفید سفید۔ وہ انھیں دیکھ کر کانپ اٹھا۔

''ان کی امانت انھیں لوٹا دینا۔ وہ خدا کی مظلوم مخلوق ہیں۔ ورنہ میری طرح تم بھی مر کر نہ مر سکو گے۔'' یہ کہتے کہتے نصر اللہ بیگ نے سر جھکا لیا۔ ان کے چہرے کی سفیدی اور گہری اور بھیانک ہوگئی۔ آنکھیں حلقوں میں کھنچنے لگی اور ہاتھ کانپنے لگے۔ یہ کیفیت تھوڑی دیر تک رہی، مگر پھر وہ پہلے کی طرح ہوگئے۔

''ہزاری لال سے کہو جلدی آئے، جاؤ۔'' انھوں نے حکم دیا۔ فضل تو اس حیرت ناک واقعہ سے کچھ اس طرح ڈرا ہوا تھا کہ اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت جواب دے گئی تھی۔ وہ خود کسی طرح یہاں سے ہٹنا چاہتا تھا۔ اسے اپنے باپ کی زندگی میں اس سے بے پناہ محبت تھی۔ مگر نہ جانے کیوں باپ کا قبر سے نکل کر آنا اسے اس بری طرح ڈرائے جا رہا تھا، جیسے وہ کہیں اسی کو لینے نہ آئے ہوں۔ شاید وہ اس وہم پر بھی زیادہ خوف زدہ نہ ہوتا، اگر باپ کی محبت اور اس کی اپنی زندگی کے درمیان چاندی کی دیوار نہ کھڑی ہوتی۔

وہ باہر آکر ہزاری لال کو ڈھونڈنے لگا۔ باہر بھیڑ لگائے رشتے داروں نے اس سے اندر کا حال پوچھنا چاہا۔ مگر وہ کچھ نہ بولا اور ہزاری لال کو آوازیں دیتا ڈرائنگ روم کی طرف چلا گیا، جس سے متعلق نصر اللہ بیت کا گھریلو آفس تھا۔ ہزاری لال وہاں موجود تھا اور کانپتی ہوئی انگلیوں سے خود ہی ٹائپ رائٹر پر بیٹھا وصیت کا نیا مسودہ ٹائپ کر رہا تھا۔

''وہ... وہ بلا رہے ہیں ابا جان۔'' فضل نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''بب...بس ہوگیا۔''ہزاری لال بھی بوکھلایا ہوا تھا۔

''تمہاری کچھ سمجھ میں آیا؟''فضل نے اس سے پوچھا۔

''رام،رام۔''ہزاری لال بڑبڑانے لگا۔''کبھی ایسا نہیں سنا،کبھی ایسا نہیں دیکھا۔''

''کہیں ایسا تو نہیں کہ ابا جان کو سکتہ ہوگیا ہو اور وہ مرے ہی نہ ہوں۔''اچانک یہ خیال فضل کے ذہن میں آیا۔جس کے ساتھ ہی اس کی گھبراہٹ جیسے کافور ہوگئی۔

''ارے ہاں،ہوسکتا ہے۔''ہزاری لال بھی چونکا۔

''تب تو ڈاکٹر کو بلانا چاہیے تھا۔''فضل سوچ میں پڑ گیا۔

''برابر۔آپ وصیت نامہ لے کر چلیے میں ڈاکٹر کو بلاتا ہوں۔''

ہزاری لال نے اپنی جان چھڑانے کے لیے ٹائپ شدہ وصیت نامہ اس کے ہی حوالے کر دیا اور خود ٹیلی فون کا نمبر ملانے لگا۔

نہ جانے کیوں یہ خیال فضل کے ذہن میں جڑ پکڑنے لگا تھا کہ نصراللہ بیگ مرے نہیں تھے،انھیں سکتہ ہوگیا ہوگا۔اس خیال سے وہ خوش ہوگیا کہ اس کا باپ ابھی زندہ ہے۔اس کے قدم تیز تیز باپ کے کمرے کی طرف اٹھے۔یہاں لوگ دروازے کی درازوں سے اندر جھانک رہے تھے۔فضل کو دیکھ کر وہ اس سے بھی کترا کر دور ہٹ گئے۔ان کے خیال میں کوئی بہت عجیب بڑی بھیانک بات ہونے والی تھی۔

نصراللہ بیگ نے نظر اٹھا کر فضل کی طرف دیکھا۔فضل نے اس وقت بلا جھجک مسودہ ان کی طرف بڑھا دیا اور قریب ہی بیٹھ گیا۔

نصراللہ بیگ ٹائپ شدہ مسودہ دیکھتے رہے۔

تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ دروازہ کھلا اور نصراللہ بیگ کا فیملی ڈاکٹر کیپٹن سکیو اندر داخل ہوا۔وہ پراگندہ خاطر نظر آرہا تھا۔نصراللہ بیگ پر نظر پڑتے ہی وہ خود سکتے میں رہ گیا۔اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔وکیل ہزاری لال پیچھے تھا۔نصراللہ بیگ نے ڈاکٹر کی طرف

توجہ بھی نہ کی اور مسودے پر دستخط کے لیے فضل سے قلم مانگا۔

لیکن ابھی انھوں نے قلم تھاما ہی تھا کہ اچانک ان کا ہاتھ کانپنے لگا۔آنکھوں کی چمک اس طرح غائب ہوگئی جیسے کسی نے برقی روشنی کا سوئچ آف کردیا ہو۔بغیر کچھ آواز دیے وہ بیٹھے بیٹھے دھڑام سے گر پڑے۔

ڈاکٹر دوڑ پڑا۔فضل نے انھیں بازوؤں س تھامنا چاہا۔مگر وہ دہشت زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔کیوں کہ ذرا سی دیر میں نصراللہ بیگ کا جسم اکڑ گیا تھا۔ڈاکٹر نے نبض ٹٹول کر دیکھا۔ پھر اس نے ان کی کھلی آنکھیں دیکھیں اور ان کے بھیانک پن سے وہ لرز اٹھا۔

''یہ...یہ بالکل عجوبہ ہے،معجزہ ہے۔''وہ بڑبڑایا۔''یہ اسی وقت مرے تھے جب ہم ڈاکٹروں نے انھیں آخری بار دیکھا تھا۔مگر اب...اب یہ دوبارہ مرے ہیں۔کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''ڈاکٹر بھی پریشان ہوگیا۔

''اس جسم کو دیکھ کر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ انھیں مرے ہوئے کافی عرصہ نہیں ہو چکا ہے۔''وہ آپ ہی کہتا رہا۔

دفنائے جانے کے بعد نصراللہ بیگ کے واپس لوٹ آنے سے لوگوں کو جس قدر حیرت ہوئی تھی،ان کی اس عجیب وغریب طریقے پر ہونے والی دوبارہ موت پر وہ اس سے بھی زیادہ حیران رہ گئے۔

ذرا ہی دیر میں پورے علاقے میں یہ خبر پھیل گئی۔لوگ نصراللہ بیگ کے بنگلے کی طرف دوڑ پڑے۔ایک جم غفیر لگ گیا جو ایک نظر اپنی آنکھوں سے نصراللہ بیگ کی اس لاش کو دیکھنا چاہتا تھا،جسے ان میں سے بہت سے کندھا دے کر خود قبرستان میں دفنا کر آئے تھے اور وہ قبر سے نکل کر خود یہاں آ پہنچی تھی۔

یہ اطلاع علاقے کے پولیس اسٹیشن تک پہنچ گئی اور وہاں کا ڈپٹی انسپکٹر ایک ماتحت افسر اور دو کانسٹیبلوں کے ساتھ آ پہنچا۔اسے ان لوگوں کے بیانات پر یقین ہی نہ آیا۔لیکن نصراللہ

بیگ کی موت اور تجہیز و تکفین کی خبر اسے بھی پہلے ہی مل چکی تھی۔ اور اب دوبارہ وہی لاش اس کے سامنے تھی۔ یہ دیکھ کر وہ خود بھی حیرت میں پڑ گیا۔ نصر اللہ بیگ اس علاقہ کی مشہور شخصیت تھے۔ ان کے جنازے میں میں یہاں کے لوگوں کی بڑی تعداد شریک ہو چکی تھی۔ اس لیے زندہ ہو کر پھر سے مرنے کی یہ عجیب و غریب کہانی گھر گھر بڑی حیرت سے سنی جانے لگی اور اس کے ساتھ ساتھ بہت سی ملتی جلتی پرانی روائتیں زبان پر آ گئیں۔ کسی نے کہا، ایسے ہی ایک بار پشاور ہی میں مردہ زندہ ہو کر قبر سے نکل پڑا تھا۔ کسی نے پیر صاحب کا حوالہ دیا کہ اپنی موت اور تجہیز و تکفین کے تین دن بعد وہ بغداد شریف میں دیکھے گئے تھے۔ پولیس نے بہر صورت اس عجیب و غریب واقعے کے پیش نظر اس لاش پر قبضہ کر لیا اور اسے پوسٹ مارٹم کے لیے بھیج دیا۔ فضل نے بہت چاہا کہ ایسا نہ ہو، لیکن اس کی کچھ نہ چلی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

سنسنی

ویسے یہ خبر اخباروں میں شائع ہوئی تو بہت سے لوگ تو اسے کسی کراماتی اشتہاری پیر یا جادوگر یا پروفیسر کا پروپیگنڈہ سمجھ بیٹھے۔لیکن کیوں کہ یہ پولیس کے حوالے سے شائع ہوئی تھی،اس لیے اس تحیر خیز واقعے پر سارے شہر میں سنسنی پھیل گئی۔پوسٹ مارٹم رپورٹ سے کچھ بھی نہ معلوم ہوسکا۔بلکہ کرونر نے خود اس بات پر حیرت کا اظہار کیا تھا۔اس کے خیال میں یہ لاش ۲۴ گھنٹے پرانی تھی اور دوبارہ زندگی کے آثار کا نہ تو وہ یقین کرنے کو تیار تھا اور نہ کوئی ایسا امکان آج تک نظر سے گزرا تھا کہ قبر میں دفن ہونے کے بعد ۱۲ گھنٹوں کے بعد کوئی مردہ قبر پھاڑ کر نکلے اور سیدھا گھر چلا آئے۔قبرستان میں نصراللہ بیگ کی قبر کھلی اور خالی پائی گئی تھی۔اس کی مٹی ادھر ادھر بکھری ہوئی تھی۔لیکن نمودِ سحر سے اور واقع کے وقت تک کسی نے بھی اس پر غور نہیں کیا تھا۔اس لیے وہاں کے تکیہ دار اس سلسلے میں کچھ نہ بتا سکے۔

دوسرے دن یہ حیرت ناک واقعہ سارے شہر کا موضوع بن گیا۔حالانکہ پڑھے لکھوں کی بڑی تعداد سرے سے اس واقعہ کو ماننے کے لیے ہی تیار نہ تھی۔

☆☆☆☆☆☆

شمو کے لیے تو یہ دنیا کی سب سے حیرت ناک خبر تھی۔وہ صبح بازار سے سودا لیتے ہوئے مردہ زندہ ہوجانے کی یہ خبر سن کر سیدھا بنگلے کی طرف بھاگا۔اس قسم کی عجیب وغریب خبریں سب سے پہلے شوکت کے کانوں تک پہنچانا وہ اپنے لیے طرۂ امتیاز سمجھتا تھا۔

جیسے تیسے برآمدے تک پہنچ کر اس نے بازار کا تھیلا باورچی کے سر مارا، جو اسے دیکھ کر باہر آگیا تھا،اور پھولی ہوئی سانس کے ساتھ شوکت کے کمرے کے دروازے پر ہی

جا کر اس نے دم لیا۔شوکت نہ جانے کس موڈ میں اندر گنگنا رہا تھا۔

''دنیا نئی دنیا ہے تو سالی پھر کیا یاد رہے گی...اور اپنی جوانی سالی ان کے بغیر یونہی برباد رہے گی۔''

''میاں، اللہ قسم آپ نے سوا سولہ آنے سچ کہا ہے۔یہ سالی دنیا بھوت عجائب گھر ہو گئی ہے۔''وہ دروازے میں گھستے ہوئے بولا۔

''اور لو. یانی میرے شیر میں آپ کا فلسفہ گھس گیا سالا۔ابے اخروٹ مائنے بھی سمجھتا ہے شاعری کے؟''

''میں کیا جانوں، میاں، جاہل جٹ، اور آپ ٹھیرے اللہ کے فضل سے لکھے پڑھے انڈر ویر پاس۔''شمو نے حسب عادت خوشامد شروع کر دی۔

''اے لو۔اب سالے ڈبل اخروٹ، ابے فسٹ انڈر ویر نہیں، فسٹ ایئر آٹھ بولتے ہیں اس کو۔''شوکت نے اسے سمجھایا۔

''کائے کو نئیں، میاں، بھلا آپ سے زیادہ کون جانتا ہے۔''

''مگر، سالے، آپ ناک کی سیدھ میں یاں کائے کو چلے آئے۔کس نے بلایا تھا آپ کو؟''شوکت نے منھ بنا کر سوال کیا۔

''میاں، بھوت عجیب الغریب خبر لایا ہوں۔''

''کیا کسی مرغے نے انڈا دیا ہے؟''شوکت نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

''نئیں، میاں، اس سے بھی عجب العجائب، یعنی اس کی بھی باپ۔''

''کوئی چنڈوخانے کی نئیں سناتا۔مجھے مالوم ہے تم نے، سالے، دم بھی لگانا شروع کر دیا ہے۔''شوکت نے ٹوکا۔

''میاں، اللہ قسم غلط نکلے تو سو جوتے مارنا اور گننا پانچ۔''

''اچھا بول۔''

''میاں، آپ نے کہیں دیکھا ہے کہ مردہ زندہ ہوگیا ہے۔''شمو نے پوچھا۔

''ایں؟''شوکت سوچ میں پڑ گیا۔

''اے لو۔ دیکھا کائے کو نہیں۔ بھوت سے رسالوں میں دیکھا ہے۔''شوکت نے جواب دیا۔

''نہیں میاں، میرا مطلب ہے آنکھوں سے؟''

''ابے چڑھی تو نہیں ہے کہیں؟''

''میاں، آپ کا جوتا میرا سر۔''

''اچھا تو نے کاں دیکھا؟''

''میں، میں نے کیا، سارا شیر (شہر) بول رہا ہے۔ یانی پرسوں وہ جو نصر اللہ بیگ جنت کو سدھارے تھے نا، میاں، بغیر ٹکٹ گئے ہوں گے، اس لیے واپس لوٹا دیے گئے۔''

''کیا بک رہا ہے بے اول جلول۔''

''ہاں میاں، یانی اپن نے تو بڑی بوڑھیوں سے ہی سنا تھا۔ یاں تو لوگوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔''

''کیا دیکھ لیا۔''

''یانی کل دیکھتے کیا ہیں کہ نصر اللہ بیگ صاب قبر سے نکل کر سیدھے گھر چلے آرئے ہیں۔ اپنے لڑکے اور وکیل سے خوب بات مات کی۔ مگر ڈاکٹر کے آتے آتے پھر اننا غفیل ہو گئے۔''

''چل بے، ٹھونکی ہوگی کسی نے اپنی کھوپڑی سے۔''

''اچھا میاں بالے صاحب کو ٹیلی فون کر کے پوچھ لیجیے۔''

''اور جو سالے بنڈل نکلا تو؟''

''تو میاں جو چور کی سزا وہ میری۔''

Akram Allahabadi

''اچھا، لامیرا ٹیلی فون اٹھا لا۔''

شمو دوڑ کر فون اٹھا لایا۔شوکت نے نمبر رنگ کیے تو بالے گھر پر ہی موجود تھا۔وہ آفس جانے کی تیاری کر رہا تھا۔سپرنٹنڈنٹ خان پہلے ہی چلا گیا تھا۔اسے کسی رشتے دار سے ملنا تھا۔وہ بالے کو ہدایت کر گیا تھا کہ وقت پر آفس پہنچ جائے، اس کا انتظار نہ کرے۔اس لحاظ راوی نے تھوڑی بہت فرصت لکھی تھی۔شوکت کا جب فون آیا اس وقت وہ نکلنے کی تیاری کر رہا تھا۔

''ہلو ڈیئر۔''بالے نے ریسیور ہاتھ میں لے کر کہا۔

''ڈیئر میئر گئے تیل لینے۔میں شوکت بول رہا ہوں۔''

''کیوں؟ خیریت تو ہے؟''بالے نے چونک کر پوچھا۔

''اللہ کا فضل ہے۔مگر پہلے تو یہ بتاؤ کہ آج کل تمارے درشن کائے کو نئیں ہو رہے۔'' شوکت نے پوچھا۔

''میاں خاں، میں تماری طرح فالتو فنڈ میں نئیں ہوں۔''بالے نے اسی کے لہجے میں جواب دیا۔

''تم خد ہو گے سالے فالتو فنڈیے۔اے لو، ذرا خیریت پوچھی تو لاڈ میں ہی آ گئے۔''

''اچھا بابا، تم بڑے باپ کے، بس۔اب بولو۔''

''یہ سالا شمو چنڈوخانے کی ایک خبر لایا ہے کہ وہ نصر اللہ بیگ کا مردہ زندہ ہو کے قبرستان سے گھر پہنچ گیا تھا۔اور اوپر سے ڈھٹائی دکھا رہا ہے کہ بالے صاب سے پوچھ لو۔''

''اخباروں میں تو ایسی ہی خبر ہے۔پولیس نے بھی اس کی تصدیق کی ہے۔''بالے سنجیدگی سے بولا۔

''یانی سچی بات ہے؟''

''خدا جانے، رپورٹ تو یہی ہے۔ بلکہ انھیں دوبارہ دفنایا گیا ہے۔''

''اللہ جانے، میاں خاں، یہ سب قیامت کے آثار ہیں۔ وہ جو بڑے بوڑھوں نے کہا ہے کہ جانے کیا کیا ہوگا۔''

''چھوڑو بھی یار، کہاں کی لے بیٹھے۔ یہ تو وہی مثل ہوئی کہ قاضی دبلے کیوں، شہر کے اندیشے سے۔''

''اے لو۔ میں نے تو ایک بات پوچھی ہے۔ میں سمجھا تھا یہ سالا شموا بنا کر لایا ہے۔''

''اچھا ڈیئر، شام کو مل رہے ہو؟''

''کاں؟''

''آج آرٹ کی نمائش دیکھنے کا ارادہ ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''میرے ایک دوست نے دعوت دی ہے۔ جہانگیر آرٹ گیلری میں آج ماڈرن آرٹ کا مقابلہ ہے، جس میں ہندوستا بھر کے مصوروں نے حصہ لیا ہے۔''

''تصویروں کو کیا چاٹیں گے؟''

''پھوہڑ آدمی ہو، یار۔ ارے وہاں چلتی پھرتی تصویریں بھی آئیں گی۔''

''کوئی فلمی شو ہے؟''

''تمہاری عقل پر پتھر تو نہیں پڑے ہیں۔ میں زندہ تصویروں کی بات کر رہا ہوں۔''

''چکرو کرتو نئیں ہے کچھ؟''

''مجھ پر بھروسہ نہیں کیا؟''

''پولیس والوں کا کیا بھروسہ۔ سالے بی جمالو ہوتے ہیں پورے۔'' شوکت ہنستے ہوئے بولا۔

''تم جنسی مغالطہ کر رہے ہو۔ جمال الدین ہوتے ہوں گے۔''

Akram Allahabadi

"کتنے بجے چلو گے؟"

"۲ بجے۔"

"تو میں آفس میں ملوں گا۔" شوکت نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اچھا سلاما لیکم۔" بالے نے ریسیور رکھ دیا۔

شمو خوشی سے شوکت کا منہ دیکھ رہا تھا۔ اس کے ریسیور رکھتے ہی اپنی صداقت کے خم ٹھونکنے لگا۔

"میاں، اب تو یقین آیا آپ کو؟"

"مگر ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ میں تو یہی سوچ رہا ہوں۔"

"اے لو، میاں کی باتیں۔ یانی آپ وہ اپنے بھوپال والا واقیا (واقعہ) بھی بھول گئے؟"

"کاہے کا واقیا؟"

"وہ اپنے منشی خاں کے تالاب والے قبرستان میں اورت دفن ہو گئی تھی! وہ تو اس کی قبر سے چیخیں سنائی دیں تو لوگوں نے نکالا۔ میاں، گنجی ہو گئی تھی بالکل۔"

"ابے میں تمہاری بھی کھوپڑی گنجی کر دوں گا، سالے شمو بھائی۔ میرے سامنے ذرا عقل حواس کی باتیں کیا کرو۔"

"نہیں میاں، پورا بھوپال جانتا ہے۔ آپ کسی سے بھی پوچھ لیجیے۔"

"آخر یہ اتی بھوت باتوں کا مطلب کیا ہے؟" شوکت نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے چبھتے ہوئے لہجہ میں پوچھا۔

"میاں، وہ... وہ یانی..." شمو نظریں نیچے کر کے ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "اب میں آپ تو جانتے ہی ہیں۔"

"چکر مکر آرہے ہوں گے۔ کوئی مئیں ملی ہو گی صبح سے؟"

Akram Allahabadi

''اللہ قسم، میاں، آپ جیسا سمجھ دار مالک تو میں نے کہیں بھی نہیں دیکھا۔ ایمان سے آپ روشن ضمیر ہیں۔'' وہ خوشامد پر اتر آیا۔ شوکت نے دو روپے کا ایک نوٹ نکال کر اس کی طرف پھینک دیا۔

''چل جا کالا منھ کر یہاں سے۔''

شمو نے جلدی سے نوٹ اٹھالیا اور دعائیں دینے لگا۔ ''خدا آپ کو سکندر اعظم بنائے، میاں۔ نوشیرواں بادشاہ بھی سالا اپنے نوکروں کو چرس تھوڑی پلواتا ہوگا۔ میں حاتم طائی بھی ہوتا تو آپ کو سات سلام کرتا۔ اور میاں، وہ تو سب قصے کہانیاں ہیں۔ سچے سخی تو آپ ہیں۔ کاہے کے حاتم بھائی اور کاہے کے کون۔'' وہ بولتا چلا گیا۔ شوکت ان باتوں کا عادی ہو چکا تھا۔ وہ مسکراتا رہا۔

''بس ہوا کہ اور کچھ باقی ہے؟'' اس نے آخر میں اسے ٹوکا۔

''میاں، میں آپ کے نہانے کا پانی تیار کرا دوں ذرا۔'' یہ کہہ کر وہ جلدی سے باہر نکل گیا۔ شوکت نے کوئی جواب نہ دیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

آرٹ اور آرٹسٹ

شام کو وہ دونوں جے جے آرٹ گیلری کی سیر کر رہے تھے۔ یہاں زیادہ بھیڑ نہ تھی۔ پھر بھی کافی تعداد میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اور دلدادگان آرٹ موجود تھے۔

مصور کو پسند کرنے والوں میں وہ عام طبقہ نظر نہ آتا تھا جو ایک تصویر کی ہزاروں تک پہنچنے والی قیمت کے اعتبار سے اس فن کو مضحکہ خیز اور اس کے قدر دانوں کا پاگل سمجھتا تھا۔

یہاں موجود لوگ اعلیٰ سوسائٹی کے تھے اور لباسوں سے قطع نظر ان کے چال ڈھال، ان کے اندازِ گفتگو اور ان کے چہروں تک سے تصنع ٹپکتا تھا۔ ایک ایسی مکاری جو حقائق سے گریز کرنے کو قابل فخر سمجھتی ہو، جسے دولت نے ایسی نزاکت بخش دی ہو، جس میں تاثر کی جگہ کراہت چھلکتی نظر آتی ہے۔

یہ سب ہی اونچی سوسائٹی کے افراد تھے، جن کے لیے اس دنیا میں فضولیات کی قدر روانی ہی شاید سوسائٹی کا اعلیٰ مقصد ہوتا تھا۔

بالے اور شوکت ان میں کچھ اجنبیوں کی طرح گھوم رہے تھے۔ یہ سوسائٹی تو ان کے لیے نئی نہ تھی، کیوں کہ اکثر ہوٹلوں اور کلبوں میں اس سے ان کا سابقہ پڑ چکا تھا۔ حسب ضرورت وہ اس سوسائٹی میں کھپ بھی جاتے تھے۔ لیکن انھیں اس مصنوعی زندگی سے نفرت تھی۔ وہ آزاد فطرت اور بڑی حد تک حقیقت پسند تھے اور شوکت کو تو یہ نخرے بڑے گراں گزرتے تھے۔ لیکن ان میں ہی اگر کوئی قابل توجہ حسن نظر آجاتا تو سب کچھ برداشت کیا جا سکتا تھا۔

ماڈرن آرٹ کے مرقعے دیواروں پر بنے ہوئے فریموں میں آویزاں تھے۔ لیکن یہ آرٹ کم از کم شوکت کی تو سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ ایک خاکے میں چار رخاکے، کسی تصویر میں ایک کان ایک آنکھ غائب، کسی میں آنکھ ماتھے پر بنی ہوئی اور ایک تصویر تو ایسی تھی جسے دیکھ کر شوکت

کی جان جل گئی۔

''یہ کیا ہے، بالے بھائی۔'' وہ پوچھ بیٹھا۔

''یہ مس باٹلی والا کا نیا شاہ کار ہے۔'' بالے نے تصویر کے نیچے کی عبارت دیکھتے ہوئے کہا۔

''شاہ کار ہے یہ؟'' شوکت نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں۔ کیوں؟''

''مگر یہ سالی ہے کیا بلا؟''

''میاں خاں، یہ ماڈرن آرٹ ہے۔''

''اگر سالا یہ آرٹ ہے تو لانت ہے سو بار اس پے۔''

''ارے بھئی، یہ مانی ہوئی مصور ہیں۔ محترمہ انگلستان میں بھی انعام لے چکی ہیں۔''

''یانی یہ الٹی سیدھی لکیریں اور رنگوں کے دھبے آرٹ ہوئے گویا۔''

''تم نہیں سمجھ سکو گے۔ یہ بہت زیادہ عقل مند لوگوں کے سمجھنے کی چیز ہے۔'' بالے مسکراتے ہوئے بولا۔

''چہ خش۔ یانی ایک آنکھ بنا دی آدمی کی اور آدھی ناک اور یہ بہت سی آنکھیں اس کے سر میں کائے کو گھسی ہوئی ہیں اور رنگوں کی لکیریں کیسی ہیں، آڑی ترچھی۔ اور یہ لال لال دھبے کائے کے ہیں۔'' شوکت پوچھنے لگا۔ ان کی گفتگو سن کر ایک ادھیڑ عمر پارسی جوڑا بھی وہیں رک گیا تھا۔

''یہی کمال ہے اس ماڈرآرٹ میں کہ اس کے ہر پہلو میں کوئی نہ کوئی مطلب ہوتا ہے اور پوری تصویر میں ایک کہانی ہوتی ہے۔ یعنی یہ جو آدمی کا آدھا چہرہ دیکھ رہے ہو تم، اس کی آنکھ کتنی بڑی ہے، جیسے کوئی خوف زدہ یا حیران۔ اور یہ جو زرد لہریں ہیں، یہ ایک شیر کی کھوپڑی

ہے۔اس شیر نے اس آدمی پر حملہ کر دیا۔'' بالے بتانے لگا۔

''اور یہ بھوت سی آنکھیں پھر کیا تمارے فرشتوں کی ہیں؟''

''نہیں بھائی، یہ وہ دیہاتی لوگ ہیں جو ڈر کے مارے دور سے ہی تماشا دیکھ رہے ہیں۔اور یہ لال رنگ بتاتا ہے کہ شیر اس آدمی کو کھا گیا۔اور یہ کتھئی دھبے پہاڑوں کے ہیں۔ یعنی یہ واقعہ کسی پہاڑ کے نیچے جنگل میں پیش آیا۔اور یہ لکیریں سمجھ لو درخت ہیں، یعنی جنگل۔''

''اے لو، زبردستی سمجھ لو۔درخت مرخت ایسے ہوتے ہیں، سالے۔

''ارے بھئی، ماڈرن آرٹ کا کچھ نہ کچھ مطلب نکالنا پڑتا ہے۔''

''ہوشت، یہ آٹھ ماٹھ کیں سالا پونے آٹھ ہے، سر نہ پیر۔''

''کیا فرمایا آپ نے؟'' پیچھے سے ایک تیز نسوانی آواز نے اسے چونکا دیا۔ان دونوں نے ایک ساتھ پلٹ کر دیکھا۔ان کے سامنے ایک نرم و نازک سی، بہت خوب رو، لڑکی تھی۔وہ زرد سائے میں ایک سونے کی مورتی معلوم ہوتی تھی۔پتلی سی ناک، بڑی بڑی آنکھیں، کتابی چہرہ، پتلے پتلے گلابی ہونٹ۔اس کے اعضاء بڑے متناسب تھے۔شوکت اسے سر سے پیر تک دیکھ کر رہ گیا۔وہ غصے میں تھی۔

''معاف کیجیے گا میرے دوست مذاق کر رہے تھے۔ان کی عادت ہے کہ میں کچھ کہوں یہ اس کا الٹا کہتے ہیں۔'' بالے نے مسکراتے ہوئے اسے سرد کرنے کی کوشش کی۔مگر وہ شوکت سے الجھ پڑی۔

''نہیں، جناب، انھوں نے آرٹ کی توہین کی ہے۔میں پوچھتی ہوں کی اجانتے ہیں آپ آرٹ کے بارے میں؟'' وہ براہ راست شوکت س مخاطب ہوگئی۔شوکت سٹ پٹا گیا۔مگر بالے نے آنکھ ماردی۔اس لیے وہ اس کی تعریف کرنے لگا۔

''اللہ قسم، کالا منھ ہو جس نے آپ کے آٹھ ماٹھ کی توہین موہین کی ہو۔ہم لوگ تو دوسرے آٹھ کی باتیں کر رہے تھے۔''

''اچھا کیا خیال ہے آپ کا اس تصویر کے بارے میں۔''شوکت سے ہی اس نے پوچھا۔

''یہ تصویر، اے لو۔یہ تو سالی لاکھوں میں ایک ہے۔یانی ایکسی لینٹ، مارویلاس، یانی ونڈرفول۔میں نے تو آج تک ایسی تصویر کہیں نہیں دیکھی۔یانی کیا کہانی دکھائی ہے آپ نے سالی، کہ ایک شیر بچارہ ایک آدمی کو کھا گیا اور سب سالے دیکھتے ہی رہ گئے اور پہاڑ اور جھاڑ بھی کیا عمدہ بنائے ہیں، بالکل اصیل مالوم ہوتے ہیں۔''شوکت تصویر کی طرف رخ کر کے انگلی کے اشارے سے ایک ایک چیز بتانے لگا۔

''ارے ونڈرفل۔یہ آئیڈیا تو میری سمجھ میں بھی نہیں آیا تھا۔''لڑکی اچھل پڑی۔

''میں تو سچ مچ ابھی تک یہی سوچ رہی تھی کہ اس کا مطلب کیا ہوا۔یعنی میں اسے کس آئیڈیے سے منسوب کروں؟''لڑکی نے دبے لہجے میں کہا، جسے صرف شوکت اور بالے ہی سن سکے۔ بالے کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔مگر شوکت کے پلے کچھ نہیں پڑا۔

''اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو اس تصویر کی بنانے والی مس باٹلی والا آپ ہی ہیں؟'' بالے نے بھی گفتگو چھیڑ دی۔

''آپ بالکل غلط نہیں کہہ رہے ہیں۔میں ہی مس باٹلی والا ہوں۔یہ تصویر میں نے ہی بنائی ہے اور مجھے اس پر فرسٹ پرائز ملا ہے۔''وہ بچوں کی طرح خوش ہو کر بتانے لگی۔ویسے عمر میں وہ ۱۹-۲۰ سال سے کم نہ معلوم ہوتی تھی۔

''یانی آپ ہی مصور ہیں؟''شوکت نے اچنبھے کا اظہار کیا۔

''جی۔آپ کو اس میں کوئی شک نہ ہونا چاہیے۔''

''لانت ہے سالے شک کرنے والے پے۔میں تو پہلے ہی ان سے کے رہا تھا کہ یہ ضرور کسی حسین ہاتھوں کا کام ہے۔یانی اتی خبصورت تصویر۔کیوں ہے نا، بالے بھائی؟'' شوکت نے تصدیق کے لیے بالے کی طرف ہی اشارہ کیا۔

''بے شک بے شک۔انھوں نے پیشین گوئی کی تھی کہ یہ تصویر کسی خوب صورت لڑکی نے بنائی ہوگی۔''بالے نے شوکت کی بات رکھ لی۔

''آپ لوگ واقعی آرٹ کے قدر دان معلوم ہوتے ہیں۔''وہ انھیں قدر کی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''یہ تو آپ کا حسنِ زن ہے۔''شوکت نے جھینپتے ہوئے کہا۔

''آپ لوگ اگر قبول فرمائیں تو میں آپ کو اپنے پرائیوٹ اسٹوڈیو میں چائے کی دعوت دیتی ہوں۔مجھے آپ لوگوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے۔آپ کے آئیڈیے بڑے قابلِ قدر ہیں۔''وہ خوشی کے موڈ میں انھیں دعوت دینے لگی۔

''جی دراصل ہم لوگ...''بالے نے عذر پیش کرنا چاہا۔

''یانی ہم لوگوں کو صرف شام کو فرصت رہتی ہے۔''شوکت نے جلدی سے بات کاٹ دی۔

''ظاہر ہے کہ میں بھی شام کو ہی دعوت دے رہی ہوں۔صبح کی بات ہوتی تو ناشتے کی دعوت دیتی۔آئیں گے نا آپ لوگ؟کل شام کو۵ بجے۔''اس نے اصرار کیا۔

''جیاں جیاں۔شوق سے۔بھلا آپ بلائیں اور ہم نہیں آئیں۔یہ تو ہماری خش خصمتی۔آئی ایم ساری،خوش خصمتی۔''وہ اٹک گیا۔وہ اس لفظ پر اکثر اٹک جایا کرتا تھا۔

''خوش قسمتی ہے۔''بالے نے جملہ پورا کردیا۔

''جیاں۔''

''تو وعدہ رہا۔''اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

''شور،شور۔''شوکت نے انگریزی میں جواب دینے کی کوشش کی۔

''میرا پتا یہ ہے۔''اس نے کارڈ بالے کی طرف بڑھادیا۔بالے اور وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرادیے۔شوکت اندر سے جل گیا۔لیکن اظہار نہ کرسکا۔وہ مسکراتی ہوئی

آگے بڑھ گئی۔

''تم سالے بھوت مطلبیئے ہو۔''شوکت نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

''کیا مطلب؟''

''اتی دیر مسکہ میں مے مارا اور کارڈ آپ نے لے لیا۔''

''تو لو تم رکھ لو۔''

''رکھو اپنے ہی پاس۔اور تم ہی جانا اکیلے۔اپن تو دودھ کی مکھی ہیں۔''شوکت اکھڑ گیا۔

''میں نے تو تمہاری خاطر لے لیا ہے، ورنہ میں تو انکار کرنے جارہا تھا۔''بالے نے معصومیت سے کہا۔جس پر شوکت نے اس کے ہاتھ سے کارڈ چھین لیا۔

''اچھا تو میں اس سے کہہ دوں گا تم عظیم الفرصت ہو،نہیں آسکے۔''وہ بولا۔

''عدیم الفرصت تو تم بھی ہو۔کیوں نہ ہم دونوں ہی گول ہو جائیں۔''بالے نے اسے اور چڑایا۔

''کائے کو۔میں اتا بد اخلاق نئیں ہوں۔بچاری کیا کہیگی دل میں۔''شوکت جھینپ مٹانے لگا۔

''اچھا تو تم ہی چلے جانا۔میں عدیم الفرصت ہو جاؤں گا۔''

''یہ بات ہوئی کچھ دوستی موستی کی۔یانی وہ جو کہا ہے کسی شاعر صاحب نے کہ:

دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست''

''بس بس، چپ رہو۔وہ دیکھو وہ واپس آرہی ہے۔''بالے نے اشارہ کیا۔بالی والا واپس آرہی تھی۔ان کے قریب سے گزرتے ہوئے ایک بار پھر اسنے اپنی دعوت دہرائی اور ناٹا کرتی چلی گئی۔

اس کے جاتے ہی بالے کا دوست آرٹسٹ آپہنچا۔جس نے بڑے اصرار سے اسے

دعوت دی تھی ۔کیوں کہ اس کی بنائی ہوئی تصویریں بھی نمائش میں شامل تھیں ۔وہ تاخیر سے پہنچنے کی معذرت کر کے انھیں اپنی تصاویر دکھانے لگا۔اس کی تصویروں میں نسبتاً کچھ جان تھی ۔اس نے کچھ مناظر بڑے دل فریب بنائے تھے ۔مگر شوکت اس صحبت میں بری طرح بور ہوتا رہا۔ اسے تو آرٹ کی نہ کوئی معلومات تھی اور نہ ذرہ بھر دل چسپی ۔باٹلی والا تو اسے خود ایک چلتی پھرتی حسین تصویر نظر آئی تھی ۔اس لیے اس سے اسے دل چسپی ہو گئی تھی ۔لڑکیاں یہاں اور بھی تھیں، لیکن اس میں شک نہیں کہ باٹلی والا کے پیر کی دھول بھی ان میں کوئی نہ تھی ۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

دوسرا واقعہ

اس وقت رات کے ۱۲ بج رہے تھے۔ سپرنٹنڈنٹ خان اور بالے اس وقت گوری کے علاقے کا ایک گشت لگا کر لوٹ رہے تھے۔ خان کی عادت تھی کہ رات کے کھانے سے فارغ ہو کر اگر اسے فرصت ہو تو اپنے نجی لباس میں شہر کے ان علاقوں کی گشت پر نکل جاتا تھا جہاں جرائم پیشہ لوگوں کے اڈے تھے۔ خان کے گشت لگاتے رہنے سے جرائم کا زور بہت کم رہتا۔ ان لوگوں پر اس کی دہشت بیٹھی رہتی تھی۔ اور ان میں سے بہت سے گودی میں ملازمت بھی کرنے لگے تھے۔

رات کے ۱۰-۱۱ بجے تک یہ علاقہ سونا ہو جاتا تھا، سوائے ان ہوٹلوں کے یا خفیہ قمار خانوں کے، جہاں ایسے صبح خیزیوں کا اجتماع رہتا۔ باقی عمارتیں بے جان سی ہو جاتیں، روشنیاں بجھ جاتیں اور ملازم گورکھے ان کے گرد گشت لگانے لگتے۔

''ہر سرکاری محکمے میں فرائض کے گھنٹے ۶ سے ۸ تک ہوتے ہیں۔'' بالے نے کہنا چاہا۔

''پولیس میں واقعات اور حالات کا قانون چلتا ہے۔''

''مجھے پینشن مل سکتی ہے؟''

''تم اگر اپنی ایک ٹانگ تڑوا لو تو شاید میں سفارش کر سکوں۔ بغیر کٹے کو تو لوگ بھیک بھی نہیں دیتے۔''

''آپ تو پیدائشی فرائض پسند ہیں۔ آپ سے کون بحث کر سکتا ہے۔'' بالے منہ بنا کر خاموش ہو رہا۔ پھر جیسے اسے کچھ خیال آیا اور وہ چٹکی بجا کر بولا۔ ''ہاں، ایک اسکیم ہے۔''

''خودکشی۔''

Akram Allahabadi

''جی نہیں، میں ہند چینی جنگ میں اپنی خدمات پیش کیے دیتا ہوں۔'' بالے نے کہا۔

''ناکارہ لوگوں کی وہاں بھی کوئی گنجائش نہیں۔تم تو کسی خندق میں پڑے پڑے لڑکیوں کی تصویریں دیکھا کرو گے۔''

''سچ کہا ہے بزرگوں نے۔'' بالے سرد سانس کھینچ کر بولا۔

''کیا کہا ہے بزرگوں نے؟''

''چلتی چا کی دیکھ کے دیا کبیرا روئے
کسی سپرنٹنڈنٹ کا ماتحت بن کر ٹابوت بچا نہ کوئے''

''اگر آپ ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں تو مرمت ہو سکتی ہے۔''

''ہائے، یہ چاندنی رات۔جھیل کے کنارے رومانی جوڑے ہاتھ میں ہیر ڈالے، آئی ایم ساری، ہاتھ ڈالے ٹہل رہے ہوں گے اور ایک الوکا پٹھا کنوارا سا جنٹ شہر کی سڑکیں چھان رہا ہے۔'' بالے اس کی بات کو جواب دیے بغیر باہر چٹکی ہوئی چاندنی کو دیکھ کر حسرت ناک لہجے میں بڑبڑایا۔

''تمہیں تو فرصت کی نوکری چاہیے نا؟''

''بے شک۔''

''تو میں کل ہی تمہارا تبادلہ ڈسٹرکٹ میں کرائے دیتا ہوں۔''

''آپ سنجیدگی سے فرما رہے ہیں؟''

''قطعی۔میں تمہاری یہ بکواس بہت سن چکا ہوں۔''

''اس سے بہتر ہے آپ مجھے کسی کانجی ہاؤس میں بند کرا دیجیے۔''

''آ گئے اپنی اوقات پر۔''

''ارے، وہ کیا بلا ہے۔'' بالے نے اچانک ایک کراس لین کی طرف اشارہ کیا۔

Akram Allahabadi

خان نے کار آگے جا کر روک لی اور بیک کر کے اسے اس موڑ پر لے آیا۔اس نے دیکھا کہ گلی میں ایک جگہ روشنی ہو رہی ہے۔ایک عمارت کے سامنے کچھ لوگ جمع تھے۔خان نے گاڑی گھما کر گلی میں داخل کر دی۔بھیڑ کے قریب پہنچ کر وہ دونوں گاڑی سے اتر پڑے۔

لوگوں کی بھیڑ بڑھتی جا رہی تھی۔خان اور بالے اس بھیڑ میں گھس گئے۔جب وہ لوگوں کو ہٹاتے ہوئے اندر پہنچے تو انھیں درمیان میں سڑک کے کنارے ایک لاش پڑی نظر آئی۔لوگ اس کے چاروں طرف حیران حیران سے کھڑے تھے۔وہ ایک سفید چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔

''کیا بات؟ کیا ہوا؟''بالے نے ایک آدمی سے پوچھا۔

''صاحب،اپنی عمر میں تو کبھی ایسے واقعے دیکھے سنے نہیں'وہ بولا۔

''آخر کیا واقعہ ہوا ہے؟''خان نے بھی استفسار کیا۔

''اسے کل رات کو ۸ بے سیوری کے قبرستان میں دفنایا گیا تھا۔سہ پہر کو ۴ بجے اس کی موت واقع ہوئی تھی۔''

''اور پھر یہ یہاں پہنچ گیا؟''بالے نے حیران ہو کر پوچھا۔

''جی ہاں۔حالاں کہ ہم لوگ خود اسے دفنا کر آئے تھے۔''ایک دوسرے آدمی نے درمیان میں دخل دیا۔

''کون ہے یہ؟''خان نے پوچھا۔

''یہ آئل مل والا ہے،اشرف خاں۔''اس آدمی نے بتایا۔

''اس کے رشتے دار کہاں ہیں؟''

''وہ سامنے کھڑے ہیں۔لاولد تھا۔وہ اس کا بہنوئی کھڑا ہے۔اسی نے سارا انتظام کیا تھا۔''

''کیا بیمار تھا کچھ؟''

Akram Allahabadi

''دل کے دورے پڑ رہے تھے۔''

''دل کے دورے۔'' خان نے دہرایا۔

''سنا ہے ایسا ہی ایک واقعہ دو تین دن پہلے بھی کہیں ہو چکا ہے۔'' ایک بوڑھا بول اٹھا۔ ''یہ سب قریب قیامت کے آثار ہیں، بھائی۔ سب وہی عجیب عجیب باتیں ہو رہی ہیں۔ اللہ رحم کرے۔ مردے قبروں کو چھوڑ کر بھاگے آ رہے ہیں۔''

''اس کی قبر کہاں تھی، آپ کو یاد ہے؟'' خان نے پہلے آدمی سے پوچھا۔

''جی ہاں۔''

''اس کے بہنوئی کو ادھر بلائیے۔''

''خان کے اشارے پر اس کے بہنوئی کو بلایا گیا۔ اسے جب معلوم ہوا کہ اس کا ہم کلام ایک پولیس افسر ہے تو وہ حرف بحرف واقعہ بتانے لگا۔ اس نے بتایا ابھی نصف گھنٹے قبل اچانک ایک سایہ چلتا ہوا صحن میں داخل ہوا۔ ہم لوگ سب بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ اور جیسے ہی ہم نے قریب آنے پر اسے دیکھا، ہم لرز گئے۔ کیوں کہ انھیں ہم اپنے ہاتھوں قبر میں دفنا کر آئے تھے۔ بس یہ گم سم سے آ کر ایک چارپائی پر بیٹھ گئے۔ اشارے سے کچھ کہتے تھے، مگر ڈر کے مارے کوئی قریب نہیں گیا۔ مجھے اس وقت پرسوں ترسوں کا اخبار والا واقعہ یاد آ گیا۔ میں نے ڈاکٹر کو بلوا بھیجا۔ لیکن ڈاکٹر نے اس واقعہ کو بکواس کہہ کر آنے سے انکار کر دیا۔ تب میں نے مقامی پولیس اسٹیشن کر خبر کرائی۔ اور وہ لوگ شاید اب آتے ہی ہوں گے۔ اسی درمیان میں اٹھ کر سارے گھر میں ٹہلتے پھرے۔ ایک ایک چیز کو دیکھتے۔ ایک ایک سے اشاروں سے کچھ کہتے، مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ قریب جائے۔ آخر گھبرا کر باہر نکل پڑے اور ابھی دس منٹ قبل یہیں فٹ پاتھ پر گر پڑے۔ تب سے یہیں پڑے ہیں۔''

''اوہ۔'' خان نے یہ کہہ کر جھک کر اس کی نبض دیکھی۔ مگر وہ جسم تو کئی گھنٹوں کی لاش کی طرح شرد ہو رہا تھا۔

Akram Allahabadi

''اسے ہاتھ نہ لگایئے۔خدا جانے کیا بات ہے۔''ایک بوڑھے نے ٹوکا۔''کہیں آپ کو کچھ ہو گیا تو۔''

''گھبرایئے نہیں، میں زندوں سے نہیں ڈرا تو مردوں سے کیا ڈروں گا۔''خان اٹھتے ہوئے بولا۔

''تو کیا مر گیا یہ؟''کسی نے پوچھا۔

''ہاں،اور لاش کئی گھنٹوں کی ہی معلوم ہوتی ہے۔''

خان جواب دے ہی رہا تھا کہ اسی وقت پولیس کی جیپ کار آ پہنچی۔ڈیوٹی آفیسر خان کو دیکھتے ہی اٹینشن ہو گیا۔پھر وہ لاش کو دیکھنے لگا۔

''فوٹو وغیرہ لینے کی ضرورت نہیں۔نصر اللہ بیگ جیسا ہی کیس ہے۔اسے پوسٹ مارٹم کے لیے یہاں سے اٹھوا لیجیے۔''خان نے اس افسر کو حکم دیا۔

''بہت بہتر ہے۔''وہ ادب سے بولا۔

''آؤ، بالے۔''خان نے بالے کو ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔بالے کھوئے ہوئے انداز میں اس عجیب لاش کو دیکھ رہا تھا۔

''ارے،آپ کچھ نہ کریں گے؟''بالے نے چونک کر کہا۔

''ابے کیا تحہ پڑھوں یہاں بیٹھ کر۔''خان نے جھنجھلا کر کہا اور اپنی کار میں بیٹھ گیا۔

''بالکل عجیب بات۔''بالے کھوئے ہوئے انداز میں بولا۔

خان نے کار اسٹارٹ کر دی۔

''اور آپ نے اس سے کوئی دل چسپی نہیں لی۔''

''ہم قبرستان چل رہے ہیں۔''

''مجھے معاف رکھیے۔مجھے اب مردوں سے ڈر لگنے لگا ہے۔''

''مردوں سے ڈرو گے تو زندوں کا مقابلہ کرو گے۔''

Akram Allahabadi

"ویکھو بھائی پمپلہ اسٹیڈیم میں لڑا کر دیکھ لیجیے۔ میں پیدائشی فری اسٹائل ہوں۔"

خان نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اور اپنی کار قبرستان کے باہر ویران سناٹے میں سڑک کے کنارے روک لی۔ وہ کار سے اتر پڑا، مگر بالے بیٹھا رہا۔

"چلو اترو۔" خان نے اسے ڈانٹا۔

"آپ مفت میں مردوں کو ڈسٹرب کریں گے۔" بالے منہ بنا کر اترتے ہوئے بولا۔

خان اندر داخل ہو گیا۔ دو تین فقیر اندر ای درگاہ کے پاس بیٹھے دم لگا رہے تھے۔ وہ ان کو دیکھ کر دعائیں دینے لگے۔

"یہاں کا منتظم کون ہے؟" خان نے ان سے پوچھا۔

"چھوٹو بھائی کو بلا۔ جا جلدی سے۔" ان میں سے ایک نے دوسرے کو ٹھونکا دیا۔

"یا علی مشکل کشا۔" وہ فقیر نعرہ مار کر کھڑا ہو گیا اور پھر دائیں سمت پھولوں کی کیاریوں کے درمیان بنے ہوئے مکان کی طرف چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد اس کے ساتھ ایک موٹا سا ادھیڑ عمر کا آدمی باہر نکلا۔

"السلام علیکم۔" اس نے قریب آ کر کہا۔

"وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ برکاتہٗ۔" بالے نے اینٹھے ہوئے لہجے میں اسے جواب دیا۔

"ادھر آؤ۔" خان نے اسے ایک طرف لے آیا۔

اس سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس شام سے رات کے اس وقت تک اس قبرستان میں صرف دو جنازے آئے تھے۔ خان نے جب اسے ان کی قبروں کی طرف رہنمائی کرنے کو کہا تو وہ بخوشی تیار ہو گیا۔

اندر جانے پر ٹارچ کی روشنی میں جس پہلی قبر کی طرف اس نے اشارہ کیا۔ وہ تازہ

Akram Allahabadi

اور سالم تھی۔

''دوسری کہاں ہے؟'' خان نے پوچھا۔

''آیئے۔'' وہ دوسری سمت رہنمائی کرنے لگا۔

دوسری قبر شریفے کے ایک درخت کے سائے میں تھی۔اس پر ٹارچ کی روشنی پڑتے ہی وہ تینوں چونک پڑے۔قبر کھلی پڑی تھی۔اس کی مٹی ادھر ادھر بکھری تھی۔تکیہ سرہانے پڑا تھا۔

''غضب خدا کا۔اس میں تو میرے سامنے لاش دفنائی گئی تھی۔'' منتظم فرطِ حیرت سے بڑبڑایا۔

خان نے ٹارچ کی روشنی اندر ڈالی۔اندر اکھڑی ہوئی لکڑیاں اور چٹائی پڑی نظر آئی۔کافور کی بو بالے کی ناک میں اس تیزی سے گھسی کہ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔

''ادھر پتھر پر چڑھ جاؤ، بالے۔'' خان نے بالے کو ہدایت کی۔''اور تم اُدھر ہی رہو۔'' وہ منتظم سے بولا۔پھر وہ ٹارچ کی روشنی آس پاس کی زمین کو غور سے دیکھنے لگا۔یہاں بہت سے قدموں کے گڑھے نم مٹی میں پڑے ہوئے تھے۔

خان غور سے دیکھتا رہا۔پھر ایک جگہ اس کی ٹارچ کی روشنی کا ہالہ ٹھہر گیا۔

''کیا اسے دفنانے کے کچھ دیر بعد بھی یہاں کوئی آیا تھا؟'' خان نے اس سے پوچھا۔

''کچھ لوگ فاتحہ پڑھنے تو آئے تھے۔لیکن وہ یہاں آئے ہوں یہ مجھے نہیں معلوم۔'' وہ بتانے لگا۔''شاید پانی والی کو خبر ہو۔''

''بلاؤ اسے۔'' خان نے اسے حکم دیا۔

وہ اسی وقت پانی والی کو بلانے چلا گیا۔

''آپ ان نشانات کو کیوں اہمیت دے رہے ہیں اور پھر آپ کو کیسے معلوم کہ کوئی اسے دفنانے کے بعد بھی یہاں آیا تھا؟'' بالے نے پوچھا۔

Akram Allahabadi

''تدفین کے وقت جس قدر لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے ہوں گے ان کے پیروں کے نشانات ایک دوسرے پر پڑنے لازمی ہیں، کیوں کہ وہاں جگہ کم اور آدمی زیادہ ہوتے ہیں اور حرکت کرتے رہتے ہیں۔ دوسرے اس وقت مٹی اتنی نم بھی نہ رہی ہوگی کہ نشانات زیادہ گہرے پڑیں۔ اور میں جو نشانات دیکھ رہا ہوں وہ علیحدہ اور زیادہ گہرے ہیں۔ ظاہر ہے کہ تدفین کے بعد قبر پر پانی دیا جاتا ہے اور اس کے آس پاس کی زمین بھی اس سے زیادہ نم ہو جاتی ہے جس پر کوئی قدم رکھے تو نشان گہرا پڑتا ہے۔ مجھے یہاں دو قسم کے جوتوں کے نشان نظر آ رہے تھے اور یہ دونوں نشانات بعد کے اور گہرے ہیں۔ یہ مناسب ہیپ والے جوتوں کے نشان ہیں۔ یہاں رہنے والے تو ایسے جوتے پہن نہیں سکتے۔'' خان نے کہا۔

''ہو سکتا ہے اس کے کچھ رشتے دار اس قبر کو دیکھنے آئے ہوں؟''

''عام طور سے لوگ تدفین کے بعد چالیس قدم دور جا کر لوٹتے نہیں، دوسرے دن آتے ہیں۔'' خان کہنے لگا۔ ''ویسے شاید اس پانی والی سے کچھ پتا چل سکے۔ ہم نے وہاں لوگوں کی جو باتیں سنی تھیں انھیں قبر کا کہیں ذکر نہ تھا، جس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی تک کسی کو اس قبر کے خالی یا کھلے ہونے کا علم نہیں۔'' خان نے بتایا۔

اتنے میں منتظم پانی والیوں کو لے کر آ پہنچا۔ یہ ایک بوڑھی اور دو لڑکیاں تھیں۔ میلے کچیلے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھیں۔ مگر ان میں ایک لڑکی، جو جوان نظر آتی تھی، قدرے کھلی ہوئی رنگت کی تھی۔ اس کے چہرے پر مٹی کی پیلاہٹ نظر آتی تھی، مگر وہ کافی قبول صورت تھی۔ بالے اسے غور سے دیکھنے لگا۔ خان کے استفسار پر اس عورت نے بتایا کہ رات کو تقریباً ساڑھے نو بجے تین آدمی شاید فاتحہ پڑھتے پھر رہے تھے قبرستان میں۔ ان کے علاوہ اور کوئی نہیں آیا۔''

''تین آدمی۔'' خان سوچ میں پڑ گیا۔ ''کیسے تھے وہ؟''

''ایک تو اچھے خاصے کپڑے پہنے تھا۔ شاید کوٹ پتلون تھی، سر پر بال دار ٹوپی تھی، دوسرے دو شیروانی اور پاجامہ پہنے تھے۔ میری بچیوں نے ان سے پیسے بھی مانگے تھے اور انھوں

نے انھیں ایک ایک روپیہ دیا تھا۔

''اس کے بعد وہ کدھر گئے؟''

''ہمیں معلوم نہیں۔ہم لوگ اپنے گھر میں چلے گئے تھے۔''بوڑھی عورت نے کہا۔

''لیکن تمہارے آدمی تو کہتے ہیں کہ انھوں نے کسی کو جاتے نہیں دیکھا؟''خان نے منتظم سے سوال کیا۔

''ہوسکتا ہے انھوں نے بھی خیال نہ کیا ہو۔''منتظم نے بتایا۔

''خیر،انھیں جانے دو۔''اس نے عورت اور لڑکیوں کی طرف اشارہ کیا منتظم انھیں جانے کے لیے بولا۔اور وہ چلی گئیں۔

''آپ بھی جاسکتے ہیں۔کچھ ضرورت ہوگی تو بلالوں گا۔'' خان نے اسے بھی رخصت دی۔اس کے جانے کے بعد بالے کو خان نے ہدایت کی کہ وہ ان قدموں کے نشانات کے پرنٹ اٹھالے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

نیا حکم

''آپ کی یہ تحقیقی منطق میری سمجھ میں نہیں آتی۔'' واپسی پر بالے نے خان سے کہا۔وہ اب گھر کی طرف کار میں واپس جا رہے تھے۔رات کافی گزر چکی تھی۔اور دن بھر کی تکان کے بعد اب نیند کا غلبہ ہو چلا تھا۔

''یعنی؟'' خان نے پوچھا۔

''یہی کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا،خان صاحب نے کنبہ جوڑا''

''ذرا اور صاف کہو۔''

''بھلا مردوں کے زندہ ہو کر واپس آنے کا تعلق یہ قدموں کے نشانات اور فاتحہ پڑھنے والوں سے کیا ہو سکتا ہے؟''

''میں نے تو اس بارے میں کچھ بھی نہیں کہا۔میں تو یوں ہی معلومات حاصل کر رہا تھا۔'' خان مسکرایا۔

''آپ کی ''یوں ہی'' بھی علت سے خالی نہیں ہوتی۔''

''یوں ہی سمجھ لو۔''

''پھر، یوں ہی۔قبلہ میں پوچھ رہا ہوں کہ مردوں کے مسئلے میں سراغ رسانی کہاں سے گھس پڑی۔پچھلے واقعہ کی بھی تصدیق ہو چکی ہے کہ واقعی وہ نصر اللہ بیگ کا ہی مردہ تھا جو قبر سے اٹھ آیا تھا اور اپنے گھر واپس آ کر اپنے بیٹے اور وکیل سے گفتگو کرنے کے بعد وہ دوبارہ مر گیا۔یہ مسئلہ کسی ماہر روحانیت کی توجہ کے لائق ہو سکتا ہے،لیکن...''

''تو پھر میرا ہی دماغ شاید خراب ہوا ہے۔''

''میں کیسے کہہ سکتا ہوں۔آپ کے سوچنے کی بات ہے۔''

Akram Allahabadi

''بالے۔''خان کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

''فرمایئے۔''

''وہاں ایک لڑکی بھی تھی نا؟''

''بفضل خدا، دو تھیں۔''

''میں اس جوان لڑکی کا ذکر کر رہا ہوں۔''

''یا خدا، آپ پر کسی بدروح کا شایہ تو نہیں ہو گیا؟''

''کیوں؟''

''زندگی میں پہلی بار اٹکے بھی تو کہاں اٹکے۔''

''گدڑیوں میں بھی لال ہوتے ہیں۔''

''جی چاہتا ہے کہ آسمان کو اپنے اوپر پھاڑ لوں۔''

''خیریت تو ہے؟''

''جس کو سمجھے تھے ہیرا، وہی پتھر نکلا۔''

''خیال ہے اپنا اپنا۔''

''میرا خیال تو یہ ہے کہ آپ چھپے رستم ہیں۔''

''رستمی میں تو کوئی شک نہیں، دکھاؤں دوچار ہاتھ۔''

''لاحول ولاقوۃ۔آپ تو محاورے کی بھی حجامت فرما دیتے ہیں۔''

''خیر، مگر تم نے دیکھا ہے نا اسے؟''

''نہ دیکھتا تو میری بینائی پر حرف آتا۔''

''گدھے ہو تم۔کیا وہ اس بوڑھی کی لڑکی معلوم ہوتی ہے؟''

''جنوبی افریقہ میں بھی گورے لوگ پیدا ہوتے ہیں۔''

''میں تمہاری کھوپڑی گھما دوں گا، ابھی۔''

Akram Allahabadi

''گھوم گئی، مگر ارشاد۔''

''تم نے اس کے پیر دیکھے تھے؟''

''اوگاڈ، یعنی آپ اتنے غور سے دیکھا کرتے ہیں لڑکیوں کو۔''

''میں نے کیا پوچھا ہے؟''

''ناخنوں پر لالی تھی۔ پیر پر کشش تھے۔'' بالے منہ بنا کر بولا۔

''بالے، آج ضرور تمہاری شامت آرہی ہے میرے ہاتھوں۔''

''آپ نے ہی تو پوچھا تھا، یعنی اب سچ بولنا بھی گناہ ہے؟''

''میں چاہتا ہوں تم اس پر نظر رکھو۔''

''اور لگ گئی تو؟''

''میں اتار دوں گا۔''

''لیکن میں پھر وہی سوال کروں گا کہ آخر اس مردوں کے واقعات سے ہماری سراغ رسانی کا کیا تعلق ہوسکتا ہے؟ یہ تو پیروں فقیروں کے سوچنے سمجھنے کی باتیں ہیں۔'' بالے نے احتجاجاً کہا۔

''سر دست ان واقعات کو بھول جاؤ۔ مجھے اس لڑکی پر نہ جانے کیوں شک ہو رہا ہے۔'' خان نے کہا۔

''اگر کسی بے چاری نے کہیں سے بھاگ کر اس گوشۂ عافیت میں پناہ لی ہو؟''

''میں نے تمہیں منطقی نتائج برآمد کرنے کا مشورہ نہیں دیا ہے۔''

''بہتر ہے۔ میں کل ہی اس سے جا کر پوچھوں گا، کہ وہ کون ہے، کہاں سے آئی ہے، کیوں آئی ہے اور ہمارے باس کو مشکوک کیوں نظر آتی ہے، وغیرہ وغیرہ؟''

''جس طرح جی چاہے جھک مارو۔ مجھے اس کے بارے میں تفصیلاً معلومات چاہیے''

Akram Allahabadi

''بہتر ہے۔لیکن یہ پرنٹس آپ نے کیوں اٹھوائے ہیں؟''

''عجائب گھر میں رکھواؤں گا۔''خان منہ بنا کر بولا۔

''آپ ضرور اس سوفی صدی خالص روحانی مسئلے میں مکھی نکالنے والے ہیں۔''

''اگر ایسا نہ ہوا تو؟''

''تو میں فرطِ بوریت سے...''بالے کہنا چاہتا تھا۔

''گھاس کھانا چھوڑ دوں گا۔''خان نے اس کا جملہ پورا کر دیا۔

بالے منہ لٹکا کر رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

استقبال

بالے اور شوکت جب باٹلی والا کے دیے ہوئے پتے پر کمپاؤنڈ میں اپنی کار روک کر اترے تو پورٹیکو کی سیڑھیوں میں کھڑا ہوا ایک ادھیڑ عمر کا کھچڑی بالوں والا تن درست سا آدمی انھیں گھورنے لگا۔ پورٹیکو میں ایک شیورلیٹ کار پہلے سے موجود تھی، اس لیے انھیں کار پورٹیکو سے دور روکنی پڑی تھی۔ اس آدمی کی شکل پر عجیب سی حماقت برستی تھی۔ یا ممکن ہے انھیں دیکھ کر اس نے ایسی شکل بنالی ہو۔ شوکت کی نظر جب اس پر پڑی تو گھبراہٹ میں اس کا ہاتھ ماتھے پر چلا گیا۔

''سلام علیکم۔'' اس کے منہ سے نکلا۔

''یعنی، کیا مطلب؟'' بوڑھے نے تعجب سے انگریزی میں پوچھا۔

''اے لو۔ بھائی سمجھے ہی نہیں۔ یا نی ولایتی مالوم ہوتے ہیں۔'' شوکت بالے کو کہنی مار کر بولا۔

''اگر وہ ہماری میزبان کا ملازم یا سکریٹری ہوا تو؟'' بالے نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا۔

''اچھا ہوا جو سالا سمجھا ہی نہیں۔'' شوکت نے آہستہ سے کہا۔

وہ دونوں قریب پہنچ گئے۔ وہ ادھیڑ عمر آدمی ابھی تک انھیں گھور رہا تھا۔ انداز کچھ ایسا تھا جیسے اس نے ایسی مخلوق پہلے کبھی نہ دیکھی ہو۔

''ٹھہرو، اندر کہاں چلے آرہے ہو۔'' اس آدمی نے اچانک انھیں بھاری آواز میں ڈانٹا۔ وہ دونوں رک گئے۔ ادھیڑ عمر کا آدمی بالکل قریب آکر باری باری ان کی شکلیں دیکھنے لگا۔

Akram Allahabadi

"تم کب پیدا ہوئے تھے؟" اس نے دونوں سے بیک وقت سوال کیا۔]

"جب ہیروشیما پر ایٹم بم گرا تھا۔" بالے نے مسکرا کر جواب دیا۔

"تو تم ہیروشیما کی اولاد ہو۔" بوڑھے نے بڑی سنجیدگی سے اظہار حیرت کرتے ہوئے کہا۔ "وہ تو میرا بڑا بھائی تھا۔"

"تو آپ ناگاساکی ہیں۔" بالے نے شوکت کو آنکھ مارتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"ہشت۔ میرا نام آنریبل سر گھیگیاس جی چڑ اس جی چائیباسہ ہے۔" وہ سرگوشی کے لہجے میں بولا۔ "مگر کسی سے کہنا نہیں۔ میں ہسٹری کا پروفیسر ہو۔" بالے کو اس تخاطب پر ہنسی آ گئی لیکن اس نے اسے نمایاں نہ ہونے دیا۔

"بے شک بے شک ضرور ہوں گے۔" وہ بولا۔

"کیا ہوں گے؟"

"ہسٹری کے پروفیسر۔"

"نان سنس، کس جانور کا نام لیا ہے تم نے۔ میں ہیرابی کے دس کوڈ پر لعنت بھیجتا ہوں۔ میں نے خود بیس کوڈ بنائے ہیں۔" وہ منہ بنا کر بولا۔

"تو آپ کوٹ کا بیوپار کرتے ہیں؟" شوکت نے اپنی عقل مندی کا اظہار کیا۔

"آپ کی تعریف؟" ادھیڑ عمر نے عجیب سا منہ بنا کر شوکت کی طرف دیکھتے ہوئے بالے سے پوچھا۔ نیچے سے اوپر تک اس نے تین مرتبہ شوکت کا جائزہ لیا۔

"یہ میرے دوست ہیں مسٹر عالیشان جاگیردار اور میں ان کا دوست ہوں۔"

"تو آپ ہیں چیپت لال۔" وہ بالے کو گھور کر بولا۔ "نکل جایئے۔ فوراً میرے اس شان دار بنگلے سے نکل جایئے۔ میں تو سمجھا تھا آپ میری ذات کے عقل مند ہوں گے۔"

"میاں خان، اپن کہیں بھلتی (اور جگہ) تو نئیں گھس آئے۔" شوکت نے بالے سے پوچھا۔

''آپ لوگ ٹھیک جگہ پر تشریف لائے ہیں۔''ایک کھنکتی نسوانی آواز نے انھیں اپنی طرف متوجہ کرلیا۔وہ چونک کر دیکھنے لگا۔مس باٹلی والا اس وقت ہلکے زرد سائے میں گلاب کی ادھ کھلی کلی کی طرح نظر آرہی تھی۔وہ اس وقت پہلے سے زیادہ حسین معلوم ہوتی تھی۔ممکن ہے کہ غسل کر کے نکلی ہو۔

''یہ... یہ تمہارے دوست ہیں، زپی؟''ادھیڑ عمر آدمی نے لڑکی کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے پوچھا۔

''جی ہاں۔میں نے انھیں آج چائے کی دعوت پر بلایا تھا۔''

''اوہ۔آئی ایم ساری، جایئے جایئے، اندر جایئے۔''بوڑھا انتہائی سنجیدگی اور ادب سے ان کے سامنے سے ہٹ گیا۔بالے نے اس کے چہرے کی طرف غور سے دیکھا۔اس پر نہ کسی شرارت کے آثار تھے نہ کسی خبط کے۔

''آیئے نا۔میں کب سے آپ لوگوں کا انتظار کر رہی تھی۔''وہ اندر کی طرف ان کی رہنمائی کرنے لگی۔بالے نے پلٹ کر دیکھا۔ادھیڑ عمر کا آدمی وہیں کھڑا گھور رہا تھا۔

ایک اکہرے کمرے سے گزر کر وہ ایک ہال میں داخل ہوئے۔

''آپ لوگ پہلے چائے پیا پسند کریں گے یا پہلے میرا اسٹوڈیو دیکھیں گے۔''اس نے ان سے پراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

''آپ کا ئے کو تکلف کر رئی ہیں۔چائے مائے پھر پی لیں گے، کیوں، بالے بھائی؟''شوکت بول پڑا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔اصل تو ہمیں آپ کا آرٹ دیکھنے کا شوق ہے۔''بالے نے کہا۔

''تو ادھر آیئے۔''اس نے دروازے کا ایک پردہ ہٹایا اور دروازہ کھول دیا۔وہ اس کے ساتھ اندر داخل ہو گئے۔اندر متعدد فریموں پر کینوس چڑھے تھے۔رنگوں کے ٹیوب، پلیٹیں،

Akram Allahabadi

برش، بکھرے پڑے تھے۔ تارپین کی بدبو سارے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔

''یہ دیکھیے، یہ دہارلیک ہے، یہ پوئی کا جھرنا۔'' وہ انھیں بتانے لگی۔

''مم مگریاں تو خالی خولی دھبے نظر آرئے ہیں رنگ کے۔'' شوکت کے منہ سے یہ نکل گیا۔

''اوہو اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ یہ منظر سورج ڈوبنے سے بعد کا ہے۔'' بالے نے جلدی سے لقمہ دیا۔

''بالکل ٹھیک۔ یو آر ونڈر فل۔'' باٹلی والا نے چٹکی بجا کر کہا اور بالے کو تعریفی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ اس کی نظر میں نہ جانے کیوں بعد میں شرمیلا پن بھی آ گیا۔

''یہ ایک فلاسفر کی تصویر ہے جو ہر وقت طرح طرح کی باتیں سوچا کرتا ہے۔'' مس باٹلی والا نے ایک فریم کی طرف اشارہ کیا، جس میں کینوس پر ایک آنکھ اس سے ملحق بھوں اور ناک کی لکیریں بنی تھیں اور ان کے چاروں طرف خاکے بنے تھے جو شاید خود بنانے والے کے ہی سمجھ میں آتے ہوں۔ لیکن وہ انھیں سمجھاتی گئی کہ یہ آدمی ہے، یہ مشین ہے، یہ گھوڑا ہے، یہ چاند ہے، یہ سورج ہے، یہ نحوست کا الو ہے، یہ امن کی فاختہ ہے، وغیرہ وغیرہ۔

''جیاں جیاں، بھوت اچھے، سبان اللہ (سبحان اللہ)۔ یا فی لکھیں عیسا اور پڑھیں موسا۔'' شوکت بھی ساتھ ساتھ تعریف کرتا چلا گیا۔

''جی میں سمجھی نہیں؟'' باٹلی والا نے چونک کر پوچھا۔

''میرا مطلب ہے وہ کسی شائر صاحب نے اس معاملے میں کہا ہے کہ،

قدرے گوہر بادشاہ داند یا جوہری داند۔'' شوکت نے بات بنائی۔

مگر اسی وقت بالے کو اس ادھیڑ عمر آدمی کا خیال آ گیا۔ اس نے باٹلی والا سے پوچھا۔ ''وہ آپ کے والد صاحب تھے غالباً؟''

''جی ہاں۔'' باٹلی والا نے اداس ہو کر جواب دیا۔ ''کچھ دنوں سے ان کی دماغی

کیفیت ٹھیک نہیں رہتی۔کبھی کبھی پاگلوں جیسی باتیں کرنے لگتے ہیں۔شام کو گاڑی لے کر نکل جاتے ہیں تو آدھی آدھی رات کو لوٹتے ہیں۔ساری ساری رات غائب رہ کر صبح آئے تھے۔' 'وہ بتانے لگی۔

''کوئی صدمہ پہنچا تھا کیا انھیں؟''

''کچھ بھی نہیں۔لیکن ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ ذہنی استعداد کے بہت زیادہ استعمال نے ان کی یہ کیفیت کر دی ہے۔وہ سوچتے بہت ہیں۔''مصوری کے موضوع سے ہٹ کر وہ انھیں اس ادھیڑ عمر آدمی کے متعلق بتلانے لگی۔

''انھیں دراصل نئے نئے تجربات کا خبط رہتا ہے۔''

''خبطی تو مالوم ہی ہو رہے تھے وہ۔''شوکت بھی بطور اظہار تعلق کچھ بولنا ضروری سمجھ کر خاموش نہ رہا۔مگر اس کے الفاظ اپنے باپ کی شان میں باٹلی والا کو گراں گزرے۔وہ پلٹ کر ترش لہجے میں بولی۔

''شاید آپ کو معلوم نہیں کہ وہ بہت بڑے سائنٹسٹ ہیں۔انھیں علم الاجسام کا ماہر مانا جاتا ہے۔''وہ اپنے الفاظ پر زور دے کر اپنے باپ کی حیثیت جتاتے ہوئے بولی۔شوکت اس الٹے ردِعمل پر سٹ پٹا گیا۔

''اے لو، آپ الٹا ہی سمجھیں۔اللہ قسم میں نے کسی بری نیت سے کہا ہو تو سور کا منہ۔''شوکت نے معذرت طلب نگاہوں سے صفائی پیش کی۔

''کس کا؟''بالے نے آہستہ سے پوچھا۔

''تمارا، ہاں نہیں تو۔''شوکت جھنجھلا گیا۔مگر ان کی اس جھڑپ پر باٹلی والا ہنس پڑی۔

''میں تو سچ مچ گھبرا گیا تھا کہ کہیں سچ مچ وہ ہمیں باہر ہی نہ نکال دیں۔''بالے نے بات کا رخ پلٹا۔

Akram Allahabadi

''نہیں، میرے دوستوں سے وہ درشتی سے پیش نہیں آتے ویسے اجنبیوں سے انھیں نہ جانے کیوں الجھن ہوتی ہے اور آج کل تو اور بھی یہ جنون بڑھ گیا ہے۔''

''شرم کرو، نالائق بیٹی۔تم ان چھوکروں سے میری برائی کر رہی ہو۔'' اچانک ادھیڑ عمر پروفیسر نے اندر داخل ہوتے ہوئے باٹلی والا سے کہا۔وہ گھبرا گئی۔مگر نہ جانے کیوں شوکت کو 'چھوکروں' میں اپنا شمار سا معہ نواز معلوم ہوا۔چالیس برس کی عمر میں چھوکرا کہلانا دراصل 'ہینڈ سم' ہونے کی سند ہوتی ہے۔وہ اپنے کالر ٹھیک کرنے لگا۔

''ڈیڈی، آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔میں اپنے دوستوں سے ...'' باٹلی والا نے سمجھاتے ہوئے صفائی پیش کرنی چاہی۔

''کیوں نہیں، کیوں نہیں۔میں تو غلط سمجھنے کے لیے ہی پیدا ہوا ہوں۔اچھا بتاؤ میں تمہارا باپ ہوں کہ تم میری باپ ہو؟'' وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر اکڑ کر سوال کرنے لگے۔

''باپ تو آپ ہی ہیں۔'' شوکت کے منہ سے نکل گیا۔

''تم چپ رہو، موٹے آدمی۔میں یہ فربہ اندام گفتگو سننے کا عادی نہیں ہوں۔'' پروفیسر نے اسے ڈانٹ دیا۔جملے کا دوسرا ٹکڑا شوکت کی سمجھ میں نہ آیا۔وہ باٹلی کی شکل دیکھنے لگا۔

''یہ تو دراصل آپ کے ماہرالاجسام ہونے کی تعریف کر رہی تھیں۔''

''تم میرے داماد نہیں ہو جو میری بیٹی کی طرف سے بولنے لگے۔میں اس سے گفتگو کر رہا ہوں۔''

''ڈیڈی!'' باٹلی والا احتجاجاً چیخ اٹھی۔

''نو ڈیڈی۔آئی ایم آنریبل سر گھیکیاس جی چپڑاس جی چائنباسہ۔ادب سے بات کرو۔'' وہ اکڑ گئے۔

''یس سر۔'' باٹلی والا نے لہجہ بدل کر تقریباً خاموش ہوتے ہوئے کہا۔

Akram Allahabadi

''ہم خوش ہوئے اور اس خوشی میں یہ دونوں جانور تمہارے حوالے کرتے ہیں۔'' وہ بولے۔

''یہ میرے دوست ہیں، ڈیڈی۔''

''ایک دم جھوٹ۔ دنیا میں کوئی کسی کا دوست نہیں۔ موت آجائے تو یہ تمہاری جگہ مرنا پسند نہیں کریں گے۔ یہ صرف تمہاری خوب صورتی کے دوست ہیں۔''

''پلیز، ڈیڈی۔ یہ میرے مہمان ہیں۔''

''میں نے غلط نہیں کہا ہے۔ تم اگر کوئی لنگڑی لولی، کانی اور بدشکل لڑکی ہوتیں تو یہ کبھی یہاں تک آنے کی زحمت نہ فرماتے۔'' پروفیسر نے بے دریغ کہا۔

بالے ان الفاظ کی صداقت کا اعتراف کیے بغیر نہ رہا۔ مگر اسے اس خیال نے سوچ میں ڈال دیا کہ ایسے جملے تو کوئی سنجیدہ اور کافی ہوش مند آدمی ہی کہہ سکتا ہے۔ وہ جواب دیئے بغیر اس کی شکل غور سے دیکھنے لگا۔ مگر اس پر کسی ریاکاری یا رعونت کا کوسوں پتا نہ تھا۔ شوکت بھی اس صاف گوئی پر جھینپ سا گیا۔

''ہم تو آپ کی لڑکی کا آٹھ دیکھنے آئے تھے۔'' شوکت نے وضاحت کی۔

''نانسنس۔ آپ جیسے لوگوں نے ہی اسے بے وقوف بنا رکھا ہے۔ کیا جانتے ہیں آپ آرٹ کے بارے میں۔'' اس نے شوکت سے سوال کیا۔ شوکت اور سٹ پٹا گیا اور بے بسی سے بالے کی صورت دیکھنے لگا۔ آرٹ کی تشریح کے سلسلے میں بالے خود کو اس وقت گدھا محسوس کرنے لگا۔ حماقت ہی حماقت میں وہ یہاں تک آپہنچے تھے ورنہ حقیقت یہ تھی کہ ان دونوں میں کسی کو بھی اس فن س دور کا بھی لگاؤ نہ تھا۔

''بتایئے، یونانیوں شکار کی دیوی کو کیا کہتے ہیں؟'' پروفیسر نے دوسرا سوال کیا۔

''شکارنی۔'' شوکت نے سوچ کر کہا۔

''ڈیانا۔'' بالے مسکرا کر بولا۔

Akram Allahabadi

''ہاتھی کی دم کدھر ہوتی ہے؟''

''سر کی طرف۔''

''مور کیوں ناچتا ہے؟''

''تاکہ کسی فلم کمپنی میں ڈانس ڈائریکٹر کا چانس مل جائے۔''

''اُلو، یا ہو، کیوں بولتا ہے؟''

''شمی کپور کی رقابت میں۔''

''ماؤلن روج کے بارے میں کیا جانتے ہو؟''

''میرلن منرو کا ہمدرد نسبتی تھا۔''

''نانسنس، وہ فرانس کا بڑا مصور گزرا ہے۔''

''ہم گزری ہوئی باتوں کو ذرا کم یاد رکھتے ہیں۔''

''آج کا سب سے بڑا آرٹسٹ کون ہے؟''

''آپ کی بیٹی۔''

''شاباش، تم عقل مند آدمی ہو۔ مگر تمہارا یہ ساتھی اول درجے کا گدھا ہے۔''

''آپ خدہوں گے جناب قبلا اور کا بالڑکی کے والد صاحب۔'' شوکت کو غصہ آگیا۔ ''اور میڈم، آپ مہمان بلا کر ایسی ہی ازت نکلواتی ہیں ان کی، چلو بالے بھائی۔''

''ادھیڑ عمر آدمی نے یہ سن کر زور کا قہقہہ لگایا۔ باٹلی والا نے سر پکڑ لیا۔

''بس اسی دم پر میری بیٹی سے عشق کرو گے، نامعقول۔'' وہ بولا۔

''معاف کیجیے گا، آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔'' بالے نے شوکت کی وکالت کی۔

''جاؤ معاف کیا۔ نکل جاؤ یہاں سے۔''

''ڈیڈی۔''

''زپی، میں پاگل نہیں ہوں جو ایسے گدھوں کو نہ پہچانوں۔ یہ آرٹ کی ہجے بھی

پوری نہیں جانتے۔تم ایسے تفریح پسندوں کا کھلونا نہ بنو۔'' یکا یک پروفیسر کا لہجہ نرم ہوگیا۔

''مگر میں نے خود انھیں یہاں آنے کی دعوت دی تھی۔''

''اسٹوڈیو دکھلانے کے لیے نا؟''

''جی ہاں۔''

''حالاں کہ انھیں اتنی بھی تمیز نہیں کہ رنگ آمیزی کی تشریح تک کرسکیں۔یہ قدرداں ہیں، آرٹسٹ نہیں۔''

''آرٹ کا ہر قدرداں خود آرٹسٹ ہوا کرتا ہے۔''

''کچھ بھی ہو، میں نے انھیں یہاں بلایا تھا۔آپ نے ان کی بے عزتی کر کے میری عزت خاک میں ملادی۔'' وہ کہتے کہتے تقریباً رو پڑی۔

''زپی۔'' پروفیسر اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔''میں پاگل آدمی ہوں۔اپنے دوستوں سے کہہ دو میری بات کا برا نہ مانیں۔'' یہ کہتے ہوئے بوڑھے پروفیسر کی آواز بھاری ہوگئی اور وہ دروازے سے نکل گیا۔

''میں آپ لوگوں سے معافی چاہتی ہوں۔'' باٹلی والا نے دونوں سے کہا۔

''تیل لینے گئی مافی وافی، تم چلو، بالے بھائی۔'' شوکت نے بالے کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا۔

''میں نے برا نہیں مانا۔آپ پہلے ہی بتا چکی ہیں کہ ان کی دماغی حیثیت ٹھیک نہیں ہے۔'' بالے نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یا بے غیرتی تیرا آسرا۔'' شوکت نے اس پر طنز کیا۔''یانی ۳ سو جوتوں سے کم رہبۂ عالی نہیں ہوتا۔''

''شوکت صاحب، آپ ابھی تک ناراض ہیں؟'' یہ کہتے ہوئے باٹلی والا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔شوکت کا ٹمپریچر صفر سے بھی نیچے گر گیا۔اس نے دانت نکال دیے۔

Akram Allahabadi

''جی نہیں۔ میں کائے کو ناراض ہوؤں گا۔ وہ تو آپ کے ابا جان ہیں اور پھر بے چاروں کا دماغ بھی صحیح نہیں ہے۔'' شوکت نے اپنی طرف سے بات بنادی۔ وہ دراصل باٹلی والا کی التجا بھری معذرت سے پانی ہوگیا۔

اس کے بعد وہ چائے کے کمرے میں آ بیٹھے۔ یہاں پہلے سے انتظام تھا۔ ان کے بیٹھتے ہی نوکر خشک میوے اور چائے کی ٹرے لیے آپہنچا۔ باٹلی والا کی التجا بھرے اصرار پر انھیں تواضع کو قبول کرنا ہی پڑا۔

وہ ابھی چائے پی ہی رہے تھے کہ وہی ملازم پھر گھبرایا ہوا آیا۔ ''بے بی، صاب کو پھر دورا پڑا ہے۔ کتے کو پکڑ کر پیٹ رہے ہیں۔'' اس نے خبر دی۔

''اوہ، میں ابھی آئی، معاف کیجیے گا۔'' وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کوئی بات نہیں۔'' بالے بول کر رہ گیا۔

''اس کے جانے کے بعد بالے نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ کاریڈور میں وہ تیز تیز قدم اٹھاتی چلی جارہی تھی۔ نوکر اس کے پیچھے تھا۔

''آپ نے آج کیا حرکتیں لگا رکھی ہیں، ڈیڈی؟'' وہ کاریڈور سے برآمدے میں نکلتے ہی باپ کو دیکھ کر چیخ اٹھی۔ سرگھیکھیاس نے واقعی گھر کے پرانے کتے 'پٹری' کے پچھلے پیر باندھ رکھے تھے اور اس کا ایک کان تھام کر دوسرے ہاتھ سے اسے طمانچے مار رہے تھے۔

''شش۔'' انھوں نے منہ پر انگلی رکھ کر لڑکی کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

''یہ بدمعاش میرا پرس اڑا رہا تھا۔''

''آپ اسے آخر سمجھ کیا رکھا ہے؟ کتا آپ کا پرس اڑائے گا!''

''کیوں نہیں۔ تم کیا انھیں بڑا معصوم سمجھتی ہو۔ پہلے تو مجھے دیکھ کر دونوں پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہوگیا۔ پھر میری جیب میں منہ ڈالنے لگا۔ اسے معلوم ہوگا کہ میں نے اس میں بیس ہزار کا بیئرر چیک رکھا ہے۔ اور طمانچہ جو مارا تو منہ ہی منہ میں مجھے نا جانے کتنی گالیاں دے ڈالیں

کمبخت نے۔'' یہ کہہ کرانھوں نے ایک طمانچہ اور کتے کو مارا۔ وہ، کوں کوں، چیخنے لگا۔

''دیکھی اس کی اکڑ۔ اب بھی، کیوں کیوں، پوچھ رہا ہے۔''

''اسے چھوڑ دیجیے، ڈیڈی۔'' باٹلی والا نے کتے کو زبردستی ان کے ہاتھ سے چھڑایا۔

''تب تم اس سازش میں شریک ہوگی۔''

''کیسی سازش؟''

''یہی مجھے پاگل کہلوانے کی۔ کیا میں پاگل ہوں؟''

''کون کہہ رہا ہے، پاگل ہیں؟''

''تم لوگ آپس میں یہی کہتے رہتے ہو۔''

''جی نہیں، آپ نے غلط سنا ہے۔''

''میں نے کل آل انڈیا ریڈیو سے بھی سنا تھا۔ میں اس پر ہتک عزت کا دعویٰ کرنے والا ہوں۔'' پروفیسر نے سنجیدگی سے کہا۔

''وہ کسی اور کے بارے میں ہوگا، ڈیڈی۔'' لڑکی نے سمجھانے کی کوشش کی۔

''ناممکن۔ ہندوستان میں دوسرا گھیگھیاس پیدا ہی نہیں ہوا ہے۔ اور اگر پیدا ہوا بھی تو وہ جینیئس نہیں الوکا پٹھا ہے۔ چنانچہ میں الوکا پٹھا نہیں ہوں۔ اس لیے جینیئس ہوں اور کیوں کہ جینیئس ہوں اس لیے اوریجنل گھیگھیاس ہوں۔ سمجھیں تم؟''

''جی ہاں، سمجھی۔''

''کیا خاک سمجھیں۔''

''یعنی آپ اوریجنل گھیگھیاس ہیں۔''

''اور تمھیں اس بات پر فخر ہونا چاہیے کہ تم میری بیٹی ہو۔''

''جی، میں فخر کرتی ہوں۔''

''نانسنس، فخر کرنا بری بات ہے۔ غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہوا کرتا ہے۔''

Akram Allahabadi

''جی، بے شک۔''

''تو بے شک۔دنیا میں ہمیشہ سر اونچا رکھنا چاہیے۔''

'اونچا رکھوں گی۔''

''بری بات۔لڑکیوں کو سر اونچا نہیں رکھنا چاہیے۔ایسی لڑکیاں بے شرم ہوا کرتی ہیں۔'' وہ جھلا کر بولا۔

''بہت بہتر ہے۔اور اب آپ کمرے میں چلیے۔'' باٹلی والا بھی جھنجھلا گئی۔

''مگر یاد رکھو کہ میں پاگل نہیں ہوں۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے اس کے ساتھ چلنے لگے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

خان کی دلچسپی

وکیل ہزاری لال، خان کے آفس سے نکل رہا تھا جب ڈی سوزا اندر داخل ہوا۔ خان آفس میں اکیلا ہی تھا۔

''یس سر۔'' ڈی سوزا نے ایڑیاں بجا کر کہا۔

''بیٹھو۔'' خان نے اشارہ کیا۔ ڈی سوزا خموشی سے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

''تم نے بھی وہ مردوں کے زندہ ہونے کے واقعات سنے ہیں؟''

''یس سر، میں نے اخباروں میں پڑھا ہے۔ مگر وہ ان واقعات کا مذاق اڑا رہے ہیں۔'' ڈی سوزا نے بتایا۔

''نہیں، واقعات سچے ہیں۔''

''یعنی واقعی مردے زندہ ہو کر قبروں سے نکلے ہیں؟'' ڈی سوزا نے حیرت سے پوچھا۔

ہاں، اور ان میں سے ایک مردہ اس لیے واپس آیا تھا کہ اپنی نصف جائداد 'ایڈانسٹی ٹیوٹ فار ہینڈی کیپس' کے نام کر دے۔'' خان نے کہا۔

''میں سمجھا نہیں، سر۔''

''میں نصر اللہ بیگ کی بات کر رہا ہوں۔ قبرستان سے واپس آ کر انھوں نے اپنی پرانی وصیت میں یہی تبدیلی کرنی چاہی، اور یہ لاکھوں کی بات ہے۔''

''یہ تو اور عجیب بات ہوئی، سر۔''

''اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ تم اس انسٹی ٹیوٹ کے ارباب اختیار کا جائزہ لو۔ مجھے جلد از جلد ان کے بارے میں مکمل رپورٹ چاہیے جو صیغۂ راز کی سمجھی جائے گی

Akram Allahabadi

"یعنی یہ اوپن کیس نہیں ہے؟" ڈی سوزا نے کہا۔

"ابھی تو یہ باقاعدہ کیس بھی نہیں ہے۔ میں تو صرف اس دوبارہ وصیت کا سبب جاننا چاہتا ہوں۔"

"بہتر ہے۔"

"اس عرصے میں کسی ایسے تیسرے کیس کی خبر ملے تو مجھے اطلاع دینا۔" خان نے اسے ہدایت کی۔

"بہت خوب۔" ڈی سوزا نے کہا۔

اس کے بعد خان آج کے آئے ہوئے کاغذات دیکھنے لگا۔ ان میں تازہ پولیس میگزین کی ایک کاپی بھی تھی، جو مرکز سے شائع ہوا تھا۔ وہ میز کے نیچے پیر پھیلا کر کرسی کی پشت سے ٹکتے ہوئے اس کا مطالعہ کرنے لگا۔ آفس کی دیوار گیر گھڑی اس وقت ۱/۲ ۱۲ بجا رہی تھی۔ اسی وقت بالے کا فون آ پہنچا۔ خان نے رسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو۔"

"اسسٹنٹ خان اسپیکنگ ہیئر۔"

"تم ابھی تک دفتر کیوں نہیں آئے؟"

"ایک شریف آدمی کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کر رہا تھا۔"

"کون ہے وہ بدنصیب؟"

"سر گھیگھا سں چیڑا سں جی چایا سہ۔"

"سر گھیگھا سں جی تو معزز آدمی ہیں۔ کیوں کیا ضرورت پیش آئی؟"

"پاگل ہو رہے ہیں آج کل۔"

"اوہ، شاید تمھیں بے وقوف بنایا گیا ہو؟"

"جی نہیں، میں خود وہاں گیا تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔"

Akram Allahabadi

''لیکن تمہیں اس سے کیا واسطہ؟''

''اس سر گھیگھاس کے پٹھے نے ہماری کافی بے عزتی کی ہے۔''

''تم اسی قابل ہو۔شاید اس کی لڑکی کے چکر میں گئے ہو گے آرٹ کے قدر دان بن کر۔''

''ارے تو کیا آپ بھی اس گھاس کی اولاد سے واقف ہیں۔''

''اس کے آرٹ کے دلدادگان کی فہرست بہت لمبی ہے۔''

''ماشاءاللہ، ماشاءاللہ، یعنی آپ بھی پھسلے آخر۔''

''بکومت، میں صرف واقف کاروں میں ہوں۔''

''واقف کاری بلاسبب نہیں غالبؔ۔''

''وہ تم جیسے دس بیس قدر دانوں کو ہر روز بے وقوف بناتی رہتی ہے۔شاید اسی لیے سر گھیگھاس جی نے تمہاری بے عزتی کی ہوگی۔وہ روز روز نئے نئے چوکھٹے دیکھ کر تنگ آگئے ہوں گے۔''

''مجھے اس پاگل پن میں تصنع کی بو آرہی تھی۔''بالے نے بتایا۔

''وہ ایک آدمی کا نجی معاملہ ہے۔تمہیں اس میں ٹانگ گھسیڑنے کی کیا ضرورت؟''

خان جھنجھلا گیا۔

''بہتر ہے، میں اپنی ٹانگ نکالے لیتا ہوں۔لیکن میرا ماتھا کبھی فضول نہیں ٹھٹکا کرتا ہے۔''بالے نے دوسری طرف سے کہا۔

''وہ تمہاری کھوپڑی بھی ٹھنکا دیتا تو بہتر تھا۔''

''شوکت بھائی تو اس قدر قربانی کے لیے بھی تیار ہیں۔انھیں اس حسین مصور سے عشق ہوگیا ہے۔''

''اچھا زبردستی کا عشق ہے۔جب اور جہاں ہوگیا۔''

Akram Allahabadi

''اس موٹی عقل کو کون سمجھائے۔''

''میں نے تمہیں کچھ ہدایت کی تھی؟''

''آج شام سے میرا کام شروع ہوگا۔''

''میسوری کے قبرستان والا جو کیس ہوا ہے، اس آدمی کے کاروبار اور جائداد سے متعلق مجھے رپورٹ چاہیئے۔ خاص طور پر یہ معلوم کرو کہ اس کی جائداد یا اثاثے اس کی موت کے بعد کس کے ہاتھ لگے ہے۔''

''آپ تو گڑے مردے اکھاڑنے لگے۔''

''جو کہہ رہا ہوں، وہ کرو۔''

''آپ حضرت عزرائیل کے معاملات میں ٹانگ دے رہے ہیں۔''

''تمہیں تنخواہ حرام خوری کی نہیں دی جاتی۔''

''حلال خوری کی بھی نہیں دی جاتی۔''

''کیا مطلب؟''

''اس کا تعلق میونسپل کارپوریشن سے ہے۔''

''میرے پاس تمہاری بکواس سننے کے لیے وقت نہیں ہے۔''

''او کے، باس۔'' بالے نے رسیور رکھ دیا۔

''خان نے بھی سلسلۂ کلام منقطع کر دیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

خالی تابوت

یہ واقعہ اسی رات کو ہوا۔خان اس وقت اپنے بنگلے پر اکیلا تھا اور اس وقت شب خوابی کے کمرے میں جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ ہیڈ کوارٹرز سے فون آ گیا۔فون رات کی اسپیشل ڈیوٹی کے انسپکٹر دکھشنکر کا تھا۔

''ہلو، خان ہیئر۔'' خان نے نرم لہجے میں فون پر کہا۔

''سر، ابھی ابھی عیسائیوں کے قبرستان سے ڈلائیل روڈ پولیس اسٹیشن پر ایک فون آیا ہے۔اور اسٹیشن انچارج نے یہاں خبر دی ہے کہ ورلی میں عیسائیوں کے قبرستان کی ایک تازہ قبر کھدی پڑی ہوئی ہے۔تابوت باہر قبر کے پڑا ہے اور مردہ غائب ہے۔''

''اور کچھ تفصیلات؟''

''اسے شام کو ہی وہاں دفنایا گیا تھا۔قبر کسی مارکوئیس نامی آدمی کی تھی۔'' انسپکٹر دکھشنکر نے بتایا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' خان نے رسیور رکھ دیا۔فون کا سلسلہ منقطع کر کے وہ آرام گاہ میں جانے کی بجائے اپنا لباس تبدیل کرنے لگا۔

بیس منٹ کے بعد جب وہ اس قبرستان کے باہر اپنی کار روک کر اندر داخل ہوا تو ڈلائیل روڈ کا انسپکٹر مع چند کانسٹیبلوں کے وہاں پہنچ چکا تھا۔اس کی جیپ کار باہر ہی کھڑی تھی۔ اندر قبرستان کے چھوٹے سے گرجا کا پادری فادر سمیوئیل بھی موجود تھا اور قبرستان کا چوکی دار بھی۔انسپکٹر شاید ان کے بیانات لے چکا تھا۔خان دیکھ کر وہ اٹینشن ہو گیا۔کانسٹیبل سب اور دور ہٹ گئے۔

''سر، انھیں یہ قبر اسی حالت میں ملی ہے۔چوکی دار کا بیان ہے کہ ۱۱ بجے شب میں

اس کی آنکھ جھپک گئی تھی۔وہ کچھ بیمار ہے۔ابھی نصف گھنٹہ قبل جب وہ جاگ کر گشت پر نکلا تو اسے یہ قبر کھدی پڑی نظر آئی۔اس کا تکیہ تابوت کے پاس پڑا ہے،مردہ غائب ہے۔'' وہ بتانے لگا۔

''جی ہاں،اس نے فوراً بعد ہی مجھے آ کر اٹھایا اور ہم نے ایک لالٹین ایک ٹارچ لے کر سارا قبرستان چھان مارا۔کوئی پتا نہیں لاش کا۔'' فادر سمیوئیل نے تصدیق کی۔

''آپ ادھر ہٹ جایئے۔'' خان اسے قبر کے قریب ہٹنے کا اشارہ کیا۔پھر وہ وہاں کی مٹی کو غور دیکھنے لگا۔اس میں اب بھی کئی قدموں کے خفیف سے نشانات نظر آ رہے تھے۔پھر خان نے ٹارچ کی روشنی میں محدب شیشے کی مدد سے تابوت کا بغور جائزہ لیا۔اس پر کچھ انگلیوں کے نشانات پڑے تھے،جو ایکسپوزر ڈالنے سے اور نمایاں ہو گئے۔

''آخر یہ مردہ کہاں جا سکتا ہے،جناب؟ ہم نے زندگی میں کبھی ایسا واقعہ نہ دیکھا نہ سنا۔'' پادری نے فکر زدہ لہجے میں کہا۔

''آپ کے خیال میں کہاں گیا ہوگا؟'' خان نے اسی سے سوال کیا۔

''یہ تو میں کہہ ہی نہیں سکتا۔البتہ یہ کام کسی جانور کا نہیں ہے۔ویسے بھی قبرستان میں جانور کا آنا ممکن نہیں ہے،چاروں طرف ۶ فٹ اونچی دیوار ہے۔'' فادر سمیوئیل نے سوچتے ہوئے خان کو بتایا۔

''اور آپ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ مردہ اپنے آپ تابوت سے نکل کر بھاگ گیا۔''

''قدرت کے کرشمے قدرت ہی بہتر جانے۔ہم ناچیز انسان ان رموز کو کیا سمجھیں گے۔'' پادری نے اپنے مخصوص راہبانہ انداز میں ایک انگلی آسمان کی طرف بلند کر کے کہا۔

''مسٹر،آپ ہیڈ کوارٹرز سے مسٹر وکھٹنکر کو بلوا کر ان نشانات کے پرنٹ اٹھوایئے،اور فادر،آپ ذرا اپنے رجسٹر سے مرنے والے کا پورا پتا دیجیے۔'' خان نے انسپکٹر کو حکم دے کر پادری سے کہا۔

Akram Allahabadi

''آیئے۔'' پادری نے سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا۔

اور کچھ ہی دیر بعد اس کی کار جیکب سرکل کی طرف دوڑ رہی تھی، جہاں کا پتا اسے پادری نے دیا تھا۔

اتنی رات گئے سڑکیں ویران ہو چکی تھیں۔ کہیں کہیں فٹ پاتھ کے کنارے سرکاری لیمپ کی روشنی میں آوارہ گرد جمع ہو کر تاش کھیل رہے تھے۔ ملوں سے لوٹنے والوں کے انتظار میں کافی والوں نے اپنی کافی کے سماوار گرم کر رکھے تھے۔ وہ گشتی کانسٹیبلوں کے ڈر سے سائبانوں کے سائے میں چھپے بیٹھے تھے۔ کیوں کہ اپنے پیٹ میں دانہ ڈالنے کے لیے انھیں بھی کارپوریشن کے اجازت نامے کی ضرورت تھی۔ ورنہ سرکاری نمک خواروں کے بے رحم ہاتھ ان کا سارا اثاثہ چھین کر اپنی لاریوں میں اٹھا لے جاتے اور وہ فریاد کرتی نگاہوں سے انھیں تکتے رہ جاتے۔

''خان نے پادری کے دیے ہوئے پتے پر کلارک روڈ میں داخل ہوتے ہی ایک دو منزلہ مکان کے سامنے اپنی کار روک لی۔ اتفاق سے اس وقت سامنے سے خفیہ پولیس کے دو گشتی سپاہی ہاتھوں میں بید لیے اسے آتے دکھائی دیے۔ اس کی کار بہت جانی پہچانی تھی۔ قریب پہنچتے ہی دونوں اٹینشن ہو گئے۔

دیکھو، کیا نام ہے تمہارا؟'' خان نے ایک کو اشارے سے قریب بلایا۔

''مہادیو نام ہے، صاب۔'' وہ پاس آتے ہوئے بولا۔

''وہ سامنے بلڈنگ ہے، اس میں جاؤ اور آج وہاں جس عیسائی کی موت ہوئی تھی، اس کے گھر کے آدمی کو بلا لاؤ۔'' خان نے اسے ہدایت کی۔ وہاں کچھ ایسی ویسی بات مت کرنا۔

''اچھا، صاب۔'' سپاہی نے سر ہلایا اور تیز تیز قدم اٹھاتا اس بلڈنگ کی طرف چلا گیا۔ دوسرا مؤدب کھڑا رہا۔

''ادھر کوئی واقعہ نہیں ہوا آج؟''

''نہیں، صاب۔'' اس نے جلدی سے جواب دیا۔

''تم کب سے ڈیوٹی پر ہو؟''

''دس بجے سے، صاب۔''

''ہُم...'' خان یہ کہہ کر خاموش ہوگیا۔ تقریباً ۵ منٹ بعد ہی وہ سپاہی اس عمارت سے نکلا۔ اس کے ساتھ گون پہنے ہوئے ایک نوجوان آدمی تھا۔

''فرمایئے؟'' خان کی کار کے قریب آ کر اس نے پوچھا۔

''آپ جیرالڈ الک کے کون ہیں؟'

''وہ میرے بڑے بھائی تھے۔''

''کیا ان کی موت کے بعد کوئی نیا واقعہ ہوا ہے یہاں؟''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟''

''آپ کے بھائی کا انتقال کس وقت ہوا تھا؟''

''تین بج کر ۳۵ منٹ پر۔''

''وہ بیمار تھے؟''

''انھیں دل کے دورے پڑتے تھے۔''

''دیکھیے، شہر میں دو واقعات پہلے بھی ہو چکے ہیں۔ تیسرا غالباً آپ کے بھائی کا ہے۔'' خان نرم اور آہستہ لہجے میں بولا۔

''واقعہ؟ کیا مرنے کے بعد بھی انھیں کوئی واقعہ پیش آ سکتا ہے؟'' وہ آدمی حیرت سے بولا۔

''ان کی قبر، قبرستان میں کھدی پڑی ہوئی ہے۔ تکیہ الگ پڑا ہے اور تابوت سے لاش غائب ہے۔''

''اوخدا!ایسا کیسے ممکن ہے۔''وہ تقریباً چیخ پڑا۔

''میں اپنی آنکھوں دیکھ کر آرہا ہوں۔آپ کا پتا میں فادر سمیوئیل سے حاصل کیا ہے۔مجھے ڈر تھا کہ کہیں پچھلے واقعات کی طرح آپ کے بھائی بھی قبر سے اٹھ کر یہاں نہ آپہنچے ہوں۔''

''ایسا کوئی واقعہ میں نے اخبار میں ضرور پڑھا تھا۔مگر...مگر کیا ایسا ہوسکتا ہے؟''

''یہ راز تو میں خود بھی حل نہیں کرسکا ہوں۔نہ یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ایسا کیوں ہورہا ہے۔بہرحال آپ ایک کام ضرور کیجیے گا۔''خان نے اسے نصیحت کی۔

''فرمایئے؟''

''اگر ایسی کوئی بات ہوجائے،میرا مطلب ہے کہ اگر آپ کے بھائی زندہ ہوکر یہاں پہنچیں تو آپ فوراً اس نمبر پر مجھے ٹیلی فون کردیجیے گا۔''خان نے کاغذ کے ایک پرزے پر اپنے فون کا نمبر اس دیتے ہوئے کہا۔

''بہتر ہے۔لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟''

''میں ایک پولیس آفیسر ہوں۔آپ کے لیے اتنا ہی جاننا کافی ہے۔''

''خیر،خیر،ویسے اپنا فرض سمجھ کر کروں گا۔مگر...مگر اب اس قبر کیا ہوگا؟''

جلد یا بدیر،یا تو آپ کے بھائی مرحوم کی لاش چلتی ہوئی یہاں پہنچے گی یا پھر آپ کو کہیں سے اطلاع ملے گی کہ وہ کہیں سڑک پر پائی گئی ہے۔''خان نے اسے بتایا۔

لیکن اس کے بشرے سے ظاہر ہورہا تھا جیسے اس کا دماغ معطل ہورہا ہے۔وہ کچھ سوچ سمجھ نہیں کرپارہا۔''اور سردست اگر یہ تذکرہ آپ اپنے گھر والوں میں نہ کریں تو بہتر ہی ہوگا۔ورنہ وہ خوف زدہ ہوجائیں گے۔''خان نے یہ کہہ کر اپنی کار آگے بڑھادی۔وہ آدمی کچھ دیر تو وہیں سکتے کے عالم میں کھڑا رہا۔پھر چونک کر کانسٹیبل کی طرف دیکھنے لگا۔

''یہ تمہارا صاحب تھا؟''

Akram Allahabadi

''ہاں۔'' کانسٹیبل نے کہا۔

''اس کا مغز تو برابر ہے نا؟''

''وہ ہزاروں مغزوں ایک مغز ہے، مسٹر۔ سی آئی ڈی کا سب سے بڑا افسر ہے جو اڑتی چڑیا کے پر گن لیتا ہے۔'' کانسٹیبل نے اپنی دانست میں خان کی تعریف کی۔

''مگر ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ ناممکن ہے؟ میرا بھائی تو بہت سیدھا اور شریف تھا اور پچھلے اتوار کو ہی گرجے میں فادر نے اس کے سب اگلے پچھلے گناہ معاف کردیے تھے۔ اس کی روح قبر سے نکل کر بھٹکے گی؟'' وہ بڑبڑانے لگا۔

''صاحب اس کی روح کا نہیں، چلتی پھرتی لاش کی بات کرتا تھا۔'' کانسٹیبل نے اس کے اندازِ فکر کی تصحیح کی۔

''ناممکن۔ نانسنس۔ میں خود جا کر دیکھتا ہوں۔'' وہ سر کو جھٹک کر بولا اور اس نے دور سے آتی ہوئی ایک خالی ٹیکسی کو روک لیا اور اس میں بیٹھ گیا۔

''ورلی کے عیسائیوں والے قبرستان چلو۔'' اس نے ڈرائیور کو حکم دیا۔

''اس وقت؟'' ڈرائیور نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں، مجھے وہاں فادر سے ضروری کام ہے۔'' وہ ٹیکسی ڈرائیور سے بولا۔

ڈرائیور نے ٹیکسی اسٹارٹ کردی۔ کانسٹیبل جو خود بھی ان باتوں سے تذبذب اور تعجب میں تھا، وہ دونوں کندھے جھٹک کر ساتھی کی طرف دیکھنے لگا۔ ''کمال ہے، سالے اب مردے زندہ ہوکر قبرستانوں س بھاگنے لگے۔'' وہ بڑبڑایا۔

''کل جگ ہے بھیّا، کل جگ۔'' دوسرے نے ناصحانہ انداز میں کہا۔ ''مگر خان صاحب کا اکیلا اتنی رات کو اس چکر میں گھومنا معنے ضرور رکھتا ہے۔'' وہ بولا۔

چل بھائی، چھوڑو یہ سب چکر۔ اپنے بس کی بات نہیں اس میں سر کھپانا

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

اور صبح پو پھٹتے ہی جیرالڈ کی لاش مہالکشمی کی اس ویران، سونی سڑک پر پڑی پائی گئی، جو ریس کورس کے سامنے سے گزرتی تھی اور جہاں دن میں بہت کم ٹریفک چلتا تھا۔ لاش بیچ سڑک پر پڑی ہوئی تھی اور کسی ٹیکسی ڈرائیور نے ہی اسے دیکھ کر پولیس اسٹیشن کو اطلاع دی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

روحوں کا ڈاکیا

شوکت شاید رات کا کھانا کھا کر اپنی کار پر تفریح کے لیے نکلا تھا۔ وہ بڑے موڈ میں فلم 'داغ' کا ایک ٹپایا گیت گنگنا رہا تھا۔

''او بھیا دل کہیں اور چل، اس سالے شہر سے تو دل بھر گیا، یا نی ایک بھی چوکھٹا اب تو جچتا نہیں۔''

''بھیا دل، دل بھیا، چل کہیں بھیا، ہوشت۔ سالی کیا زندگی ہے، یا نی جیسے اکنڈے سور۔''

''او گاڑی والے، راج کمار، ٹھہر جا۔ خدا تیرا جھنڈا اونچا کرے۔''

آخری آواز شوکت کو باہر سے سنائی دی۔ اس نے کار آہستہ کر کے باہر جھانکا۔ راستے میں ایک سفید ریش آدمی کھڑا نظر آیا۔ وہ لمبی سی سفید عبا پہنے تھا۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا تو شوکت نے گاڑی روک دی۔

''مجھے پکارا تم نے۔'' شوکت نے پوچھا۔

''ہاں، شہزادے، میں نے آپ کو ہی پکارا، بلکہ فریاد کی۔'' سفید ریش آدمی بولا۔

''باوا، میں شیزادا میزدہ نئیں ہوں۔ آپ کہیں غلط سلط تو نئیں پہچان رئے ہیں۔'' شوکت نے بتانا چاہا۔

''غلط، میں اور غلط۔ اگر میں غلط ہوں تو ساری دنیا غلط ہے۔ اور یہ بھی غلط ہے کہ تم خاندانی شہزادے ہو۔ تمہاری ساتویں پشت میں تمہارا سلسلۂ نسب ایک حکمراں سے ملتا ہے اور تمہارے ماتھے پر جو سورج چمک رہا ہے، وہ اسی اقبال کی نشانی ہے۔'' بوڑھے آدمی نے ایک ہی سانس میں کہہ ڈالا۔

Akram Allahabadi

شوکت اپنے خاندان کی شان میں یہ سب کچھ سن کر خوشی سے پھول گیا۔

"بابا، تم کیا چاہتے ہو؟"

"ایک لفٹ کا سوال ہے، بابا۔"

"بائی کون سی لفٹ؟ کان لگواؤ گے؟"

"لفٹ، یعنی آپ کی کار میں لفٹ۔"

اے لو، تو یہ کون سی بڑی بات ہے۔" شوکت نے کار کا دروازہ کھول دیا۔ سفید ریش آدمی اندر بیٹھ گیا۔

"کہاں چھوڑوں آپ کو؟"

"جہاں سے کوئی لوٹ کر نہیں آتا۔"

"میں سمجھا نہیں آپ کا مطلب؟"

"ہم مطلبی لوگ نہیں ہوتے، شہزادے۔ ہم کو مطلب سے کیا مطلب۔"

"نہیں، بائی آپ کے مائنے؟"

"کیا ہم کوئی ڈکشنری ہیں؟"

"بابا، کیا آپ انگریزی بھی بولتے ہو۔"

"ہاں۔ میں پہلے ابلیس کی ذریات میں تھا۔ اب میں مسلمان ہو گیا ہوں۔"

"اے لو۔ ابلیس یائی شیطان۔" شوکت ہنسا۔

"تم اور کیا مجھے اپنی جیسی مخلوق سمجھ رہے ہو۔ ارے ہم لوگ انسانوں جیسی شکلیں اس لیے بنائے پھرتے ہیں کہ اگر ہم اپنی اصل صورت میں سامنے آ جائیں تو سینکڑوں کا ہارٹ فیل ہو جائے گا اور کتنے ڈر کے مارے اندھے ہو جائیں گے۔" وہ لہجے کو پراسرار بنا کر بتانے لگا۔

شوکت واقعی دل میں ڈر گیا۔ جو اجنبی سفید ریش اس کی سات پشت کا حال جانتا ہو، وہ جھوٹ کاہے کو بولے گا اور اس خیال سے اس کا دل واقعی زور سے دھڑکنے لگا کہ کہیں اس کے پہلو

میں بیٹھا ہوا یہ سفید ریش انسان واقعی ابلیس کی ذریات میں سے تو نہیں ہے۔اس طرح رات کو اکیلے میں سونی سڑک پر بے دھڑک گاڑی روکنا،سات پشتوں کی بات بتانا، وغیرہ وغیرہ۔اور اسے اپنے خیال پر جھرجھری سی آ گئی۔

''تو آپ سچ مچ ابلیس کی ذریات میں سے ہو؟''

''ہوں نہیں،تھا۔میں پچھلی جمعرات کو مسلمان ہوگیا ہوں۔کیا تم میری سفید داڑھی نہیں دیکھتے۔''سفید ریش نے اسے تقریباً ڈانٹتے ہوئے کہا۔شوکت کا واہمہ اور گہرا ہوگیا۔

''دیکھ رہا ہوں، دیکھ رہا ہوں۔''وہ تھوک حلق میں نگلتے ہوئے بولا۔

''اور خبردار جو کبھی میرے پرانے کمانڈر کی شان میں ایسی گستاخی کی۔ابلیس صاحب کہو۔کچھ بھی ہو مگر وہ میرا باس رہا ہے کبھی۔''سفید ریش نے اسے مزید تنبیہہ کی۔معاً شوکت کو خیال گزرا کہ کوئی اسے بنا تو نہیں رہا ہے۔اور اسے یاد آ گیا کہ شیطان لاحول سے دور بھاگتا ہے۔اس نے بیٹھے بیٹھے اس کی طرف پلٹ کر زور سے کہا۔''لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔''

مگر جواب میں سفید شیطان قہقہہ مار کر ہنس دیا۔

''تم بھول رہے ہو کہ میں اب مسلمان ہوگیا ہوں۔لاحول اب مجھ پر اثر نہیں کرے گی۔''وہ بولا۔

''ارے میاں، جاؤ۔تم کو چھ بھی نہیں ہو۔کوئی چار سو بیسیئے مالوم ہوتے ہو۔''شوکت عقل مند بنتے ہوئے نڈر انداز میں بولا۔

''نامعقول جاگیردار۔''سفید ریش نے اس پر آنکھیں نکالیں۔''ہم نے تجھے شہزادوں کا رتبہ دیا۔تجھے معلوم نہیں کہ مسلمان ہونے کے بعد ہم بزرگ ہوگئے اور ہمارے منھ سے نکلی ہوئی بات ہو کر رہتی ہے۔تو ضرور اسی زندگی میں شہزادہ بن جاتا،مگر تو نے ہم پر بد اعتمادی کر کے ہمکاری توہین کر دی۔بول کمبخت، ہم نے تجھ سے کیا مانگا تھا؟ دولت مانگی؟''یہ کہتے کہتے سفید ریش کو جیسے جلال آ گیا۔

نئیں تو۔''شوکت اس انداز تخاطب سے سٹپٹا گیا۔

''کچھ جائداد مانگی؟''

''نئیں تو۔''

''پھر کیوں تو نے ہماری سفید داڑھی پر شک کیا؟ لے اکھاڑ اسے، کمبخت۔ اگر نقلی ہے تو اکھاڑ۔''سفید ریش نے اپنی داڑھی آگے بڑھادی۔ مگر اتنی زبردست صاف گوئی اور دوٹوک ڈانٹ کے بعد شوکت کی تمام عقل مندی کار کی اگلی کھڑکی کے راستے ہوا ہو گئی تھی۔ وہ گھبرا گیا۔ اس نے سن رکھا تھا کہ جن، شیطان، بزرگ، سب قسم کے ایسے لوگ اچانک ہی کسی کو مل جایا کرتے ہیں۔ دعا دیں تو بیڑا پار، بددعا دیں تو بیڑا غرق۔

''اللہ قسم میں نے تو آپ کی مسلمانی پہ شک نئیں کیا۔ میں سمجھا کوئی مزاخ کر رہا ہے۔''شوکت نے گھبراہٹ میں جواب دیا۔

''اچھی طرح یاد رکھو وہ شعر، وہی کارے کند عاقل کہ بعد آید مسلمانی۔''سفید ریش بزرگ نے ڈانٹ دیا۔

''جیاں، جیاں۔''شوکت نے سر ہلایا۔

''ٹھیک ہے۔ اب سے تم روز ہوش کی دوا پیا کرو۔''

''آپ کاں جائیں گے؟''

''جانا تو ہے ہمیں مریخ تک، مگر اس وقت ہم سیوری کے قبرستان جائیں گے۔''

''قبرستان؟''شوکت چونکا

''ہاں۔ ہمیں مُردوں کی ڈاک پہنچانی ہے۔ آج کل ہمارے سپرد یہی کام کیا گیا ہے۔''

''عجیب ماملہ ہے۔''شوکت چکرا گیا۔

''ماملہ تو بالکل عجیب ہے۔ مگر کسی سے کہنا نہیں کہ تم لی چنگ وان ابلیس سے ملے

تھے، ورنہ اسی وقت اندھے اور بہرے ہو جاؤ گے۔ آتشی مخلوق سے ملاقات ہمیشہ راز میں رکھی جاتی ہے۔"

"مگر آپ کا نام تو چینیوں سا مالوم ہوتا ہے۔" شوکت نے سوال کرنے کی جرأت کی۔ دراصل وہ سیوری کے قبرستان تک کا راستہ باتوں میں کاٹنا چاہتا تھا۔ اسے اس آتشی مخلوق سے اب وحشت ہو رہی تھی۔ اس نے جنوں کے قصے، شیطانوں اور بھوتوں کے افسانے بچپن سے سن رکھے تھے۔ اور اس کے تحت الشعور میں ایسے واہموں کے لیے کافی گنجائش تھی۔ اسی لیے وہ جلدان پر یقین کر لیا کرتا تھا۔

"میں چینی شیطان ہوں۔ میرا مطلب ہے، تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد کیوں کہ شیطنیت سے توبہ کر لی ہے، اس لیے عالمِ ارواح کے پوسٹ ماسٹر جنرل نے میری ڈیوٹی یہاں لگا دی ہے۔" سفید ریش نے بتایا۔

"یعنی آپ لوگ جو کام جی چاہے کر سکتے ہیں؟"

"ہاں۔ ہم الٹے کو سیدھا اور سیدھے کو الٹا کر سکتے ہیں۔ ہم اور جنات دونوں آگ سے بنے ہیں۔"

"یا نی کسی کی میبو با اگر سالی نخرے چور ہو تو آپ اس کو کیا کریں گے۔"

"ہم اسے بھون کر کھا جائیں گے۔ کیوں؟"

"نہیں، کو چھ نہیں۔ میں نے یوں ئی پو چھ لیا۔"

"ہم دل کا حال بھی جانتے ہیں۔ تم ایسی لڑکی کے بارے میں سوچ رہے ہو جو تمہاری شکل دیکھ کر قے کرتی ہو۔"

"میں خود نہیں سالی پہ قے کروں گا۔"

"میں نے صرف ضرب المثل استعمال کی ہے۔ مگر تم اگر اس وقت تین بار میرا نام لے کر اس کی دُم گھسیٹ لو گے تو میں اسی وقت غائبانہ وہاں پہنچ کر اس کے دماغ میں گھس

جاؤں گا اور اس کا بھیجہ الٹ دوں گا۔ یہ ریایت میں صرف تمہارے لیے بخش رہا ہوں۔"

"اے لو، سالی میبوبا کی دم کاں سے آئی۔ وہ کوئی گائے بھینس تھوڑی ہوتی ہے؟"

"اگر تم عورت کی دم سے واقف نہیں ہو تو پھر تم جیسے بے وقوفوں کو اس دنیا میں رہنے کا حق نہیں ہے۔ چلو میرے ساتھ۔ میں کسی قبر میں تمہیں جگہ دلوا دوں گا۔ اُس دنیا میں محبوبائیں بغیر دُم کی ہوتی ہیں۔"

"نہیں، نہیں، مجھے کئی نہیں جانا ہے۔ تیل لینے گئی سالی میبوبا وبوبا۔" شوکت گھبرا کر بولا۔ "اور وہ آپ کا قبرستان بھی سامنے آ رہا ہے۔"

"قبرستان نہیں آ رہا ہے، ہم وہاں پہنچ رہے ہیں۔"

"آپ میرا پیچھا چھوڑو۔ میں آپ کے نام کا فاتیہ (فاتحہ) دلا دیا کروں گا۔" شوکت نے گویا شرط پیش کی۔

"تم رشوت دے رہے ہو مجھے۔ نادان انسان، عقل کے پہلوان۔ میں چاہوں تو تمہیں ابھی ساتھ لے جا سکتا ہوں۔ ٹھہرو، ابھی بتاتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ خود قبرستان کے مشرقی ویران پھاٹک پر کا رکا دروازہ کھول کر اتر گیا اور قبرستان کی طرف منھ کر کے آواز دینے لگا۔

"چچا عزرائیل، چچا عزرائیل، چل آیئے۔ ایک رضا کار لایا ہوں۔"

قبرستان کے سامنے اور اس بھیانک تاریکی کے پرحول سناٹے میں شوکت کو وہ سفید ریش اور اس کی آواز کچھ اتنی خوف ناک معلوم ہوئی کہ اس نے گھبراہٹ اور خوف میں کا رجھٹکے سے آگے بڑھا دی اور پیچھے پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔ اس کی زندگی میں یہ سب سے عجیب واقعہ پیش آیا تھا۔ ویسے تو اس نے بچپن سے یہ بھی سن رکھا تھا کہ بھوپال میں منشی حسین خان کے تالاب کا سرکٹا بھوت اسی طرح کبھی بلی، کبھی بکری کا بچہ بن کر کسی کی بھی گود میں سوار ہو جاتا تھا اور پھر بڑھتے بڑھتے اس کے دو پیر شاہجہان آباد کے چوراہے تک اور دو پچھلے پیر نصیر الدین کی پائے گاہ تک پہنچ جاتے تھے۔ تاج المساجد کے جنات اسی طرح گھر تک پیچھا ئیں چھوڑتے تھے۔

اسے بھوپال کی یہ باتیں سوچ کر جھرجھری سی آ گئی اور وہ اپنے آپ پر لعنت بھیجنے لگا کہ اس سونی سڑک سے کیوں نکل آیا۔ آئندہ کبھی وہ ادھر نہیں گزرے گا۔ یہ اس نے دل میں تہیہ کر لیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

صاحبِ مزار

سیوری قبرستان کا منتظم، چھوٹو بھائی، دروازے پر دستک سن کر چونک پڑا۔

''کون ہے؟'' اندر سے اس نے کہا۔

''باہر نکل، مردِ خدا۔'' باہر سے آواز آئی۔

وہ لالٹین لے کر باہر نکل آیا۔ سامنے ایک سفید ریش کو کھڑا دیکھ کر نہ جانے کیوں اس کا دل دھک سے ہوگیا۔ وہ سر سے پیر تک سفید عبا میں لپٹے ہوئے تھے۔ رات کو ۱۲ بجے اس کے دروازے پر ایک ایسی ہستی کا دستک دینا، وہ سوچ کر لرز اٹھا۔ بزرگ کا چہرہ پرجلال ہو رہا تھا۔

''ف...ف...فرمایئے؟'' اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

''تو ہمیں جانتا ہے، ہم کون ہیں؟'' اس کی رعب دار آواز سنائی دی۔

''نن...نہیں حضور۔ میری بدقسمتی ہے۔''

''بے شک تیری بدنصیبی ہے کہ تو نے باپ کی ہڈیوں کو اپنے گھر میں سہارا دے رکھا ہے۔ ابھی تک تجھ پر ہمارا سایہ تھا، مگر اب ضرور تیری شامت آگئی ہے۔'' بزرگ یہ کہتے کہتے اور غضب ناک ہوگئے۔

''حضور، مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی؟'' چھوٹو بھائی نے ادب سے پوچھا۔[

''پہلے یہ بتا کہ ہم کون ہیں؟'' انھوں نے ڈانٹ کر پوچھا۔

''آپ...آپ...سرے کے مزار والے بابا ہیں۔'' چھوٹو بھائی نے اندازہ کہا۔

''نہیں۔ ہم بیچ کے مزار والے بابا ہیں۔ تیری بدولت دو سو برس کی ہماری چین کی نیند میں خلل پڑا ہے۔''

Akram Allahabadi

''ح...حضور، مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہوتو میں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتا ہوں۔'' وہ گڑگڑانے لگا۔اسی وقت اندر سے اس کی بیوی شاید یہ عجیب عجیب باتیں سن کر دوسری لالٹین لیے آنے لگی۔

''اپنی عورت کو وہیں روک دے۔کسی عورت نے ہمیں دیکھ لیا تو وہیں جل کر بھسم ہوجائے گی۔''سفید ریش بزرگ نے اسے ڈانٹ کر کہا۔

''اری رک جاوہیں،کم بخت۔''

''پن کون ہے؟کس سے بات چیت کر رہا ہے؟''چھوٹو کی بیوی نے اندر سے اس سے سوال کیا۔

''چپ رہ، نادان۔واپس جا۔بیچ والے مزار کے بابا بگڑ کر آئے ہیں۔بھوت غضب میں ہیں۔''چھوٹو نے تیز سرگوشی کے لہجے میں اسے ڈانٹا۔

وہ یہ سنتے ہی خوف سے اس طرح کانپ گئی کہ لالٹین بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی اور بجھ گئی۔وہ اسے اٹھائے بغیر اندر بھاگ گئی۔

''بابا،میرا قصور بتادیجیے۔میں ستر بار آپ کے مزار سے ناک رگڑوں گا۔''وہ پھر بابا کی روح سے گڑگڑانے لگا۔

''تو نے جس ناپاک لڑکی کو پانی والی کے گھر میں پناہ دے رکھی ہے،وہ کون ہے؟'' سفید ریش بزرگ نے کہا۔

''وہ...وہ،حضور،وہ..''

''کیا تو ہم سے بھی چھپا سکتا ہے؟''

''اس سے کچھ قصور ہوا،حضور؟''

''وہ ہماری قبر کو کسی عاشق کا سینہ سمجھ کر اس پر چڑھ گئی تھی۔''بزرگ نے کہا۔

''حضور،وہ نادان ہے،ناسمجھ ہے۔''چھوٹو نے خوشامد شروع کی۔

Akram Allahabadi

''وہ ان لوگوں میں نہیں ہے، جنھیں ہم نے پناہ دی ہے۔''

''حضور، وہ... پانی والی کی...''

''ہمارے سامنے جھوٹ بولنے کی ہمت کی تو سویرے تیرا منہ بندر کا ہو جائے گا۔''

''حضور، وہ بے سہارا جون لڑکی ہے۔ ایک آدمی اسے یہاں چھوڑ گیا ہے اور اس کا خرچ بھی دیتا ہے۔''

''یاد رکھو، آئندہ کسی نے ایسی گستاخی کی تو ہم اسی وقت اسے اٹھا کر پٹک دیں گے۔ وہیں دم نکل جائے گا۔'' سفید ریش بزرگ نے صرف اتنا کہا اور پلٹ کر جانے لگے۔ کچھ دور جا کر انھوں نے رک کر دیکھا پھر بولے۔ ''اور کسی کو معلوم نہ ہو کہ ہم اپنے مزار سے اٹھ کر یہاں تک آئے تھے۔ صرف انھیں منع کر دو۔''

''بہت اچھا، حضور۔'' چھوٹو بھائی نے کانپتی آواز میں کہا۔

''بیچ کے مزار والے بابا چلتے چلتے اندھیرے میں مدغم ہو گئے۔ اور چھوٹو سکتے کے عالم میں وہیں کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد جب اسے ہوش آیا تو وہ دروازہ بند کر کے اندر چلا گیا۔ اندر اس کی بیوی اس کی منتظر ہی تھی۔ اس نے سوالات کی بوچھار کر دی۔

''بابا ناراض ہیں۔ انھوں نے کہا، تمہاری نیت گندی ہو چکی ہے۔ میں نے اچھا نہیں کیا، مریم، میں نے اچھا نہیں کیا۔'' وہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

''کیا کیا ہے تم نے ایسا؟'' وہ پوچھنے لگی۔

''کچھ نہیں، کچھ نہیں۔ تم نہ سمجھو گی، سو جاؤ۔'' وہ اسے جھڑک کر کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

''شام سے آپ کے تین فون آ چکے ہیں، صاحب۔'' غلام رسول نے خان کے آتے ہی اسے خبر کر دی۔

''کون تھا؟''

''اس نے اپنا نام نہ جانے کیا بتایا تھا، مگر اس نے فون نمبر دیا ہے، صاحب۔'' غلام رسول ن کاغذ کا ایک پرزہ اس کی طرف بڑھایا۔ ''یہی نمبر تھا۔''

ہُم...اور کچھ؟''

''ایک آدمی بھی ملنے آیا تھا۔ نام میں نے پوچھا تو بولا، کل دفتر میں مل لوں گا۔'' وہ بولا۔ ''میں چائے لاؤں، صاحب۔'' اسے اچانک یاد آ گیا کہ یہ چائے کا وقت ہے۔ خان نے صرف سر ہلا دیا اور وہ چلا گیا۔

خان فون کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ دوسری طرف سے کچھ پہچانی سی آواز سنائی دی۔

''میں جبیر الڈا لک کا بڑا بھائی ہوں، جناب، کل رات جس سے آپ نے ملاقات کی تھی۔''

''ہاں ہاں، کہیے، کیا بات ہے؟'' خان نے اس سے پوچھا۔

''مجھے آپ کا نام اور دفتر معلوم نہ تھا، اسی لیے اسی نمبر پر ٹرائی کر رہا تھا۔'' وہ بولا۔ خان کو اس طوالت سے الجھن ہونے لگی۔

''وہ سب ٹھیک ہے، آپ وجہ بتایئے، کیوں مجھے فون کرنا چاہتے تھے؟''

''ہم تو برباد ہو گئے، صاحب۔ خدا جانے ہمارے ساتھ کون سا فریب ہوا ہے۔'' وہ بتانے لگا۔

''آخر بات کیا ہوئی؟''

''میرے بھائی ایلک کا اسٹیٹ بینک میں اکاؤنٹ تھا۔ اس میں اس کے چالیس ہزار کچھ روپے جمع تھے۔ آج کسی نے صبح بینک سے اس میں سے چالیس ہزار روپے نکال لیے ہیں۔'' وہ بتانے لگا۔

''کیسے نکال لیے ہیں، بغیر چیک کے؟''

Akram Allahabadi

''چیک خود ایلک کا دستخط کردہ تھا۔اس پر کل ہی کی تاریخ تھی۔لیکن کل تو ایلک گھر سے نکلا ہی نہ تھا اور اگر وہ کسی کو پوسٹ ڈیٹڈ چیک بھی پہلے سے دیتا تو اتنی بڑی رقم تو کبھی کسی کو دے ہی نہیں سکتا تھا۔''اس کے بھائی نے خان کو بتایا۔

''چیک ان ہی کا دستخط کردہ ہے۔ہوسکتا ہے اس نے کوئی ایسا بڑا معاملہ کیا ہو جس میں ناکامی کی وجہ سے اس کا ہارٹ فیل ہوا ہو۔''خان نے رائے دی۔

''نو،سر،ایلک کی رقم میں میرا بھی حصہ تھا۔وہ مجھ سے پوچھے بغیر کبھی کوئی کام نہیں کرتا تھا۔''

''آپ نے اس کی موت کی اطلاع بینک کو فوراً کیوں نہیں دی تھی؟''

''ایسی ضرورت فوری طور پر سمجھی نہیں گئی۔کیوں کہ ایسے کسی خطرے کا ہم تصور بھی نہ کرسکتے تھے۔''

''بینک والے کیا کہتے ہیں؟''

''وہ کہتے ہیں رقم لے جانے والا کوئی با حیثیت آدمی معلوم ہوتا تھا۔اس لیے بڑی رقم پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا۔ویسے وہ غلطی ہماری بتاتے ہیں کہ ہم نے ایلک کی موت کی خبر انھیں کیوں نہیں کردی۔''

''آپ کل مجھ سے صبح ۱۱ بجے پولیس ہیڈ کوارٹرز میں ملیے۔سپرنٹنڈنٹ خان کا آفس پوچھ لیجیے گا۔''خان نے کہا۔

''اوہ،تو آپ خان صاحب ہیں۔''ادھر سے حیرت کا اظہار کیا گیا۔مگر خان نے جواب دینے کے بجائے رسیور رکھ دیا۔

شام کی چائے کے بعد وہ کسی قدر فرصت سے صبح کے اخبارات دیکھنے لگا۔ تقریباً نصف گھنٹے بعد ہی ڈی سوزا آ پہنچا۔خان نے اسے یہی وقت دیا تھا۔

''غلام رسول،ڈی سوزا کے لیے صاحب کے لیے چائے لے آؤ۔''

غلام رسول کے جانے کے بعد ڈی سوزا نے اپنی رپورٹ پیش کردی۔

''میں نصر اللہ بیگ کے لڑکے سے ملا تھا۔اس نے جو بیان دیا ہے اس سے تو معاملہ کافی گڑبڑ معلوم ہو رہا ہے۔اس نے بتایا کہ، باپ کی روح کو سکون پہنچانے کے لیے اس نے ایک لاکھ روپے اپاہجوں کے امدادی انسٹیٹیوٹ کے ڈائرکٹر کے حوالے کر دیے تھے۔'' وہ آگے کہنے لگا۔

''تو اس سے کیا ہوا؟''

''یہی تو عرض کر رہا ہوں۔ میں ڈائرکٹر سے ملا تھا۔اس نے بتایا کہ اسے ایسی کوئی رقم ملی ہی نہیں اور وہ اس دن انسٹیٹیوٹ میں موجود بھی نہ تھا۔اسے پونا سے ایک مخیّر نے انسٹیٹیوٹ کے نام کافی رقم امداد کے طور پر دینے کے لیے بلایا تھا، وہ پونا گیا ہوا تھا۔

''اور اس کی جگہ؟''

''وہاں صرف دو ہی آدمی رہتے ہیں، آفس میں۔باقی اسٹاف کا دفتر سے تعلق نہیں ہے۔دوسرا آدمی انسٹیٹیوٹ کا منتظم بھی ہے اور محاسب بھی۔اس کا بیان ہے کہ اس دن صبح ۹ بجے ایک دو معزز آدمی آئے تھے جنھوں نے امدادی رقم دینے سے پہلے انسٹیٹیوٹ دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔اس نے انھیں اندر گھمایا۔اس کے بعد وہ آفس میں آکر بیٹھ گئے اور انسٹیٹیوٹ سے متعلق ہر قسم کی معلومات حاصل کرتے رہے۔اس وقت تک تمام اسٹاف کام پر جا چکا تھا۔ باتوں باتوں میں اس رئیس آدمی نے خوشبوؤں کا ذکر نکالا اور جب منتظم نے خوشامداً کہا کہ وہ خوشبوؤں کی بڑی اچھی رکھتا ہے تو نووارد نے جیب سے رومال نکال کر اسے سونگھایا کہ وہ اس خوشبو کا قسم بتائے۔اس کی بو اتنی تیز تھی کہ اسے چکر سے آنے لگے اور جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو غسل خانے میں بند پایا۔

''اس واقعے کی رپورٹ اس نے پولیس کو دی تھی؟''

''نہیں۔کیوں کہ وہ اس کے پاس ایک لفافہ چھوڑ گئے تھے، جس میں سو روپے کا

ایک نوٹ تھا اور کاغذ پر لکھا تھا "مذاق کا انعام"۔ ادارے کو اس کی امداد ڈاک سے پہنچ جائے گی۔" چنانچہ ڈائرکٹر کے واپس آنے پر اس نے جب اس کو بتایا کہ نہ تو انسٹیٹیوٹ میں کوئی گڑبڑ ہوئی ہے، نہ آفس کی کوئی چیز چھوئی گئی ہے، تو وہ بھی چکر میں پڑ گیا۔ اور دونوں مل کر ان سنکی رئیسوں کی ڈاک سے موصول ہونے والی امداد کا انتظار کرنے لگے۔

"نصر اللہ بیگ کے لڑکے سے شناخت کروائی؟"

"اسی وقت میں نے فون سے انھیں بلوا لیا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ جس آدمی کے حوالے انھوں نے جو رقم کی تھی وہ ان میں نہیں تھا۔"

"کیا وہاں دفتر پر چپراسی بھی نہیں ہے؟"

"یہ بھی عجیب بات ہے کہ اس دن وہ بھی نہیں آیا۔" ڈی سوزا نے بتایا۔

"آپ کا کیا خیال ہے؟"

"بنا بنایا کھیل معلوم ہو رہا ہے۔" ڈی سوزا نے کہا۔

"انھیں رقم چیک سے دی گئی تھی؟"

"جی ہاں۔ مگر چیک آرڈر چیک تھا۔ کیوں کہ اسے بتایا گیا کہ انسٹیٹیوٹ کا کسی بینک میں اکاؤنٹ نہیں ہے۔"

"اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ انھیں کسی طرح یہ معلوم تھا کہ اسی دن نصر اللہ بیگ کا لڑکا انسٹیٹیوٹ آنے والا ہے۔"

"یہی بس سوچنے کی بات ہے۔"

"پونا سے منتظم کو بلاوا، چپراسی کی اسی روز غیر حاضری اور آرڈر چیک کے ذریعے رقم کی وصولی۔ یہ سب ایک پہلے سے تیار کردہ پلان کی کڑیاں معلوم ہوتی ہیں۔ مگر یہ کیا ضروری ہے کہ ڈائرکٹر اور منتظم کے بیانات کو صحیح ہی مان لیا جائے؟"

میں اس سلسلے میں تحقیقات کر رہا ہوں۔ پونا سے اسے پانچ سو روپے کی رقم

ملی۔لیکن جس آدمی نے اسے رقم دی ہے اس نے اپنا نام اور پتا نہیں بتایا۔اس نے ٹرنک کال کے ذریعے ڈائرکٹر کو بلایا تھا اور وشرام ہوٹل کا پتا دیا تھا۔اس آدمی کے علاوہ چپراسی کو میں نے ہیڈ کوارٹرز میں بلوایا ہے۔''ڈی سوزا نے کہا۔

''ان چیزوں زیادہ اہم سوال یہ ہے کہ انھیں قطعی طور پر یہ علم کیسے ہوا کہ نصر اللہ بیگ کا لڑکا، کس دن اور کس وقت وہاں آنے والا ہے۔کیا اب تم اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے۔''

''یعنی آپ کا مطلب ہے کہ انسٹیٹیوٹ کے ڈائرکٹر اور منتظم کے بیانات غلط ہیں؟''

''افسانہ تو بچوں جیسا بنایا گیا ہے۔لیکن چیک کس کے نام دیا گیا تھا؟''

''انسٹیٹیوٹ کے ڈائرکٹر کے نام پر۔لیکن چیک پر پیچھے انسٹیٹیوٹ کی مہر کے ساتھ جو دستخط ہیں، وہ ڈائرکٹر کے بیان کے مطابق کسی اور کے ہیں۔''ڈی سوزا بولا۔

''پھر بینک نے کیسے اتنی بڑی رقم کیش کر دی؟''

''بینک نے خود نصر اللہ بیگ کے بیٹے کی شناخت پر ادائیگی کی۔''

''یعنی وہ ان کے ساتھ بینک بھی گیا تھا؟''

''جی نہیں۔بینک سے اسے ٹیلی فون کر کے دو بجے کے قریب بلوایا گیا تھا۔اس نے تصدیق کر دی کہ، ہاں یہی ڈائرکٹر ہے۔''

''بینک سے انھوں نے سب رقم کیش لی؟''

''ہاں۔وہ ان کا کہنا تھا کہ وہ کسی کو آپریٹیو بینک میں اس میں سے کچھ رقم سے کھاتا کھولیں گے۔''

''تو ہو سکتا ہے کہ وہ نقلی ڈائرکٹر بھی ان دونوں کا ہی ساتھی ہو۔''خان نے کہا۔

''یعنی ڈائرکٹر اور منتظم کا؟''

ہاں۔بہر صورت معاملات کا سلسلہ براہِ راست اب ان قبروں سے نکل بھاگنے والے مردوں کے واقعات سے مربوط ہے۔اس میں مردوں سے صرف یہ فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

Akram Allahabadi

ایک سے وصیت کرادی گئی، دوسرے سے چیک پر دستخط لے لیے گئے۔ یہ مجرمانہ افعال ظاہر ہے کہ مذہبی عقیدتوں یا روحوں کی واپسی وغیرہ کا چکر نہیں ہے بلکہ کسی مخصوص اور کافی حیرت ناک ذریعے سے انتہائی گھٹیا مقاصد کی تکمیل کی جارہی ہے۔''

''جی۔''

''مجھے پورا کام دو ٹکڑوں میں منقسم معلوم ہوتا ہے۔ پہلا کام مجرموں کے طبقے کا نہیں معلوم ہوتا۔ یہ عام سطح سے بلند اور کافی تحیر خیز بات ہے۔ جب کہ دوسرا کام یعنی رقموں کا چکر جرائم پیشہ عیاروں کی حرکت معلوم ہوتی ہے۔ ہمیں ایک عینک میں دو مختلف شیشے لگا کر ان حالات کو دیکھنا ہوگا۔''

''میں پونا کے متعلق تحقیق کر کے اور چپراسی کا بیان لے کر کل صبح آپ کو مفصل رپورٹ پیش کردوں گا۔''

''یہ کیس اس طرح حل نہ ہوں گے، ڈی سوزا صاحب۔ ویسے آپ اتنا ضرور کیجیے کہ شبے کے طور پر انسٹیٹیوٹ کے وائر کٹر اور منتظم کو گرفتار کر لیجیے۔'' خان نے کہا۔

''لیکن...؟''

''مزید تحقیقات خود کرلوں گا۔'' خان نے بات کاٹ دی۔

ڈی سوزا کچھ اور نہ کہہ سکا۔ غلام رسول نے چائے کی ٹرے سامنے لاکر رکھ دی تھی۔ وہ خود ہی چائے بنانے لگا۔ چائے پی کر ڈی سوزا واپس چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

سورج ڈوب چکا تھا اور سیوری کے قبرستان پر بھیانک سکوت مسلط تھا۔ دن میں کچھ فقیر، کچھ تکیہ دار، آتے جاتے بھی رہتے، مگر مغرب کے بعد اندر کوئی نہ جاتا۔ جو کچھ دم باز بے گھر قلندر نما لوگ پڑے بھی تھے تو وہ دروازے کے قریب ہی کچی مسجد کے سامنے یا اس کے آس پاس رہتے تھے۔

Akram Allahabadi

کچھ مانگنے والے بچے، جن میں کمسن لڑکیاں بھی تھیں۔ کچھ پیشہ ور فقیر دروازے کے قریب ہی جمع تھے، کیوں کہ ایک قبر اندر سرِ شام ہی کھودی جا چکی تھی اور اس کا جنازہ آنے والا تھا۔ یہ خبر تو انھیں منتظم کے دفتر سے ہی مل گئی تھی کہ اس شہرِ خموشاں میں ابدی آرام کی نیند سونے والا کوئی دولت مند آدمی ہے۔ اس لیے وہ زیادہ خیرات ملنے کی توقع میں پہلے سے جمع تھے۔ تقریباً رات ۹ بجے تک جنازے کے آنے کی خبر تھی۔ لائن انھوں نے ابھی سے لگائی تھی۔

اندر، جہاں سال ہا سال سے لاتعداد مردے سوئے ہوئے تھے، گہری خاموشی مسلط تھی۔ دور دور قبروں کے درمیان جو لکڑی کے کھمبے لگا کر برقی روشنی کا انتظام کیا گیا تھا، وہ اتنا ناکافی تھا کہ برقی قمقموں کی مدھم زرد روشنی میں ان قبروں کے ٹیکیے، ان کے سائے اور لرزتے ہوئے درختوں کے سائے اور زیادہ بھیانک معلوم ہوتے۔ انسانی گوشت سے بسی ہوئی زمین کی بو بھی حساس آدمی کے لیے کم لرزہ خیز نہ تھی۔

اس تاریک سناٹے میں خشک پتوں پر کسی کے قدموں کی چرچراہٹ سن کر بیچ والے مزار کے بابا کا مردہ چونک پڑا۔ اس نے مزار کی اوٹ سے سر ابھار کر دیکھا ایک نسوانی سایہ لہراتا ہوا آہستہ آہستہ قدم رکھتا اس تازہ قبر کی طرف جا رہا تھا، جو شام کو کھودی گئی تھی اور جو اپنے مکین کا منہ کھولے انتظار کر رہی تھی۔ فاتحہ خواں سرِ شام ہی جا چکے تھے۔

سفید ریش بابا کے مردے نے آہستہ آہستہ کھسکنا شروع کیا اور پھر قبروں کی آڑ لیتا اسی طرف بڑھنے لگا۔

وہ لہراتی ہوئی چال والا سایہ اس قبر کے نزدیک پہنچ کر رک گیا۔ سفید ریش سائے نے ایک پختہ قبر کی آڑ لے لی۔ دور سے کھمبے کی برقی قمقمے کی مدھم روشنی لرزتی ہوئی یہاں تک آ رہی تھی۔ اس نے اس سائے کو دیکھا۔ وہ کھلے ہوئے رنگ کی ایک نوجوان لڑکی تھی، جس نے سرخ کپڑے پہن رکھے تھے۔ وہ ایک مٹکا لے کر آئی تھی، جس میں پانی بھرا تھا۔ اس کی چال سے یہی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ عام لڑکیوں سے کچھ مختلف اور کسی قدر رزاکت پسند ہے۔

لڑکی نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر اطمینان کر لینے کے بعد کہ یہاں کوئی اور نہیں ہے، اس نے اپنے سینے کے پاس ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹی سی شیشی نکالی اور اس کا منھ کھول کر اس میں موجود سیال اس مٹکے میں الٹ دیا۔ ایک تیز کھاری سی بو سفید ریش بابا کی ناک میں گھسنے لگی۔ اس نے سفید رومال ناک پر رکھ لیا۔

اس کے دیکھتے دیکھتے اس لڑکی نے مٹکے کا پانی اس کھلی قبر کے اندر اور اس کی اندرونی دیواروں پر چھڑکنا شروع کر دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے ربڑ کی ایک باریک سی نلکی اپنی کمر سے نکالی اور اسے مٹی میں چھپا کر قبر میں لٹکا دیا۔ وہ اب واپس لوٹ کر چلی۔ تب تک سفید ریش بزرگ قبر کی آڑ سے نکل آئے۔ انھوں نے کھلی قبر میں جھانک کر دیکھا۔ بڑی تیز ٹھنڈی بو سے ان کی سانس رکنے لگی۔

''ٹھہر جاؤ، لڑکی۔'' انھوں نے اسے آواز دی۔ وہ اس طرح اچھل پڑی جیسے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ اس کے قدم جیسے زمین نے پکڑ لیے ہوں۔ اس کے کانپتے ہوا تھ سے مٹکا گر کر پھوٹ گیا۔

''ڈرو نہیں۔ میرے قریب آؤ۔'' سفید ریش نے اسے آہستہ سے بلایا۔

''آپ... آپ کون ہیں؟'' اس نے اٹکتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''ہم صوفی سیّد شاہ مجید الحسن ہیں۔ ہمارا مزار وہ ہے۔'' سفید ریش نے اشارے سے بتایا۔ یہ سنتے ہی وہ تھر تھر کانپنے لگی۔

''گھبراؤ نہیں۔ تم تو بڑی آرام جان ہو۔ جس طرح تم نے اس قبر میں آنے والے مردے کو ٹھنڈک پہنچائی ہے، خدا تمہارے دل کو بھی ویسی ہی ٹھنڈک پہنچائے۔ آؤ، میرے قریب آؤ۔''

مگر ڈر کے مارے اس کے قدم ہی نہ ہلے۔

''میں معافی...'' کہتے کہتے آواز اس کے حلق میں اٹک گئی۔

''ہم نے کہا نا کہ ہم تمہیں ستائیں گے نہیں۔آؤنا، ہماری قبر میں بھی ویسی ہی تھوڑی ٹھنڈک کردو۔یہ زمین اندر سے کافی گرم ہے۔''وہ خود اس کی طرف آنے لگے۔مگر لڑکی سے بھاگتے نہ بنا۔

''تم کیوں ڈر رہی ہو؟تم تو یہاں مردوں کی خدمت کرتی ہو۔تمہیں کس بات کا ڈر ہے؟''

لڑکی کی تھوڑی سی ڈھارس بندھی۔وہ بہت آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی آگے بڑھی۔

''ہمارے پیچھے آؤ۔''وہ پلٹ کر اپنے مزار کی طرف چلنے لگے۔لڑکی نے کوشش کی کہ بھاگ جائے۔لیکن اس کی طرف دیکھے بغیر سفید ریش بزرگ نے کہا۔''ہم سے بھاگ کر کہاں جاؤ گی۔ہم تمہارے خواب تک میں گھس جائیں گے۔''

وہ اور سہم گئی اور پیچھے چلتی رہی۔

''دیکھو، یہ ہے ہماری آرام گاہ۔ہم یہاں پچھلے ڈیڑھ سو سال سے آرام فرما رہے ہیں۔مگر اس قبرستان میں کبھی اتنے سفید نرم و نازک پیر مردوں کے سینوں پر نہیں پڑے جو تمہارے ہیں۔ہمارا جی چاہتا ہے کہ ہم تم سے محبت کریں۔''

''آ...آپ۔''خوف زدہ پھٹی آنکھوں سے سفید ریش بزرگ کو دیکھتے ہوئے اس نے کہنا چاہا۔

''ہاں۔کیوں؟ہم مرے کہاں ہیں۔ہم تو ایک تمہاری جیسی قیامت ادا حسینہ کی نگاہِ ناز سے شہید ہوئے تھے۔اس لیے موت ہمیں کبھی نہ آئے گی۔''یہ کہتے کہتے سفید ریش بزرگ کا لہجہ بڑا روحانی ہوگیا

''بابا، صاحب مزار، برا نہ ماننا۔میں اس لڑکی کو بے وقوف بنا رہا ہوں۔''سفید ریش نے منہ پر ہاتھ رکھ کر سرگوشی کے لہجے میں مزار کی طرف رخ کر کے کہا۔جس کی آواز لڑکی تک نہ پہنچ سکی۔

Akram Allahabadi

''مجھے...مجھے معاف کر دیجیے۔'' وہ گڑگڑانے لگی۔

''ارے، ارے۔یعنی ہم تم سے محبت کرنا چاہتے ہیں اور تم معافی مانگ رہی ہو، پاگل لڑکی۔ہم اپنے ساتھ تمہیں جنت میں لے جا کر وہاں تم سے شادی کریں گے۔مردوں کی روحیں تم جیسی قتالۂ عالم کو دیکھ کر بہت خوش ہوں گی۔''

''آں؟ لڑکی کا منھ حیرت سے کھل گیا۔''آپ مجھے لے جائیں گے؟''

''ہاں، آؤ، ہمارے ساتھ ہماری قبر میں چلو۔ہم تمہیں بہت آرام سے رکھیں گے۔''

یہ کہہ کر وہ جیسے ہی آگے بڑھے، لڑکی تیورا کر گری اور بے ہوش ہوگئی۔سفید ریش بزرگ نے جلدی جلدی اس کی تلاشی لی۔انھیں وہ خالی شیشی مل گئی اور اس کی کمر سے ایک اور ربڑ کی نلکی لپٹی ہوئی پائی گئی۔دونوں چیزوں کو محفوظ کر کے انھوں نے لڑکی کو ہاتھوں پر اٹھایا اور قبروں کے درمیان سے گزرتے ہوئے ایک اونچی پختہ قبر پر اسے لٹا دیا۔پھر وہ تاریکی میں غائب ہوگئے۔

۹ بجے سے کچھ پہلے جنازہ آیا اور ساڑھے نو تک وہ لوگ اسے دفنا کر فاتحہ پڑھ کر چلے گئے۔قبرستان میں پھر بھیانک سکوت طاری ہوگیا۔البتہ پیٹرومیکس کی روشنی میں پانی والی نے اس لڑکی کو قبر پر پڑے دیکھ لیا۔اس نے اسے جھنجھوڑ کر اٹھایا تو وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی صورت دیکھنے لگی۔

''کیا ہوا تھا تمہیں؟ یہاں کیوں لیٹی تھی؟''

''وہ...وہ...اس مزار کا مردہ...وہ...وہ...'' کانپتی ہوئی انگلی سے اس طرف اشارہ کر کے وہ تیزی سے باہر کی طرف بھاگی۔نہ جانے کیوں اس کے الفاظ نے پانی والی بوڑھی کو بھی خوف زدہ کر دیا۔وہ بھی تیز تیز قدم اٹھاتی گھر کی طرف چل دی۔اس نے یہ بات چھوٹو بھائی کو بھی بتا دی۔اور جب وہ اس کے ساتھ اس لڑکی کو دیکھنے پہنچا تو اسے کافی بخار چڑھا ہوا تھا۔وہ بڑبڑا رہی تھی۔

''نہیں نہیں، میں تمہارے ساتھ جنت میں نہیں جاؤں گی۔میں یہیں رہوں گی۔

میں مرنا نہیں چاہتی۔''

''وہ اس بیچ والے بڑے مزار کی طرف اشارہ کرتی تھی۔'' پانی والی نے بتایا۔ پھر وہ اسی سے پوچھنے لگی۔'' کیا اس کا کوئی بھی نہیں ہے جو آپ نے اسے میرے پاس چھوڑا ہے؟''

''ہے، میں اسے خبر کردوں گا کہ اسے یہاں سے لے جائے۔ یہ کھیل اب بند ہونا چاہیے۔'' چھوٹو بھائی بڑبڑایا۔

''کیسا کھیل؟''

''کچھ نہیں... کچھ نہیں... تم نہیں سمجھو گی۔'' چھوٹو یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔ اس کا رخ گھر کی بجائے قبرستان کے عقبی دروازے کی طرف تھا جو ہمیشہ اندر سے بند رہا کرتا تھا۔ برسوں پہلے یہ فاتحہ وغیرہ پڑھنے آنے والوں کے لیے کھلا رکھا جاتا تھا۔ مگر جب ادھر سے جانور بھی اندر گھسنے لگے تو اسے بند کر دیا گیا تھا۔ اس دروزے کے قریب پہنچ کر وہ کچھ دیر سوچتا رہا۔ اس نے اسے کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ مگر پھر اس کا ہاتھ کانپنے لگا۔ اس نے ہاتھ کھینچ لیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا قبرستان کے دفتر کی طرف روانہ ہو گیا۔

دفتر میں اس کے سوا کوئی نہیں بیٹھتا تھا۔ اس کی چابی اسی کے پاس رہتی تھی۔ یہیں ایک پرانا ٹیلی فون بھی رکھا تھا۔ اس نے دروازہ بھیڑ لیا اور فون کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد اسے دوسری طرف سے بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

''کون ہے؟''

''میں ہوں چھوٹو بھائی۔''

''ہاں کہو۔ کوئی آیا کیا؟''

''ہاں ایک آیا ہے۔ موت کے سرٹیفکٹ میں دل کا مریض ہی لکھا ہے۔ لیکن میں اب یہ کام کرنا نہیں چاہتا۔''

''کیوں؟ کیا تمہیں کم رقم مل رہی ہے؟'' ادھر سے پوچھا گیا۔

Akram Allahabadi

''یہاں عجیب عجیب واقعات رونما ہو رہے ہیں۔ میں اب یہ کام نہیں کروں گا۔''

''تم ٹھہرو، ہم آتے ہیں ابھی۔'' اُدھر سے صرف اتنا ہی کہا گیا اور فون کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

رات کو تقریباً گیارہ بجے جب سڑکیں بھی سونی ہو گئی تھیں، ایک پرانی سیاہ اسٹیشن ویگن کا رقبرستان کے عقبی دروازے کے باہر آ کر رکی۔ یہ سڑک دن میں سونی رہتی تھی۔ رات کو تو بالکل ہی ویران ہو جاتی۔ کار سے تین آدمی اترے، جن میں سے ایک آدمی نے سیاہ رنگ کا اوورکوٹ اور سیاہ پتلون پہن رکھا تھا اور دوسرے خاکی لباس میں تھے۔ انھوں نے جب عقبی دروازے کو باہر سے دھکیلا تو وہ کھل گیا۔ اِدھر اُدھر نظر دوڑا کر یکے بعد دیگرے تینوں اندر داخل ہو گئے۔ چھوٹو وہاں تاریکی میں ایک قبر کے نزدیک کھڑا تھا۔ آنے والوں میں ایک نے ایک فولڈنگ اسٹریچر بغل میں دبا رکھا تھا۔ دوسرے کے ہاتھ میں ایک پھاوڑا تھا۔

چھوٹو بھائی قریب آ گیا۔ وہ خوف زدہ نظر آ رہا تھا۔

''وہ لڑکی ابھی تک غفلت میں پڑی ہے۔'' چھوٹو نے اسے بتایا۔

''کیوں؟'' اوورکوٹ والے نے پوچھا۔

جواب میں چھوٹو بھائی نے اس مدت کا اپنا واقعہ اور اس لڑکی کی کیفیت سب کچھ بتا دی۔

''ہشت۔ یہ سب تمہارا وہم ہے۔ کیا فضولیات لے بیٹھے تم۔ سال ہا سال پرانے مردے قبروں سے اٹھ کر نہیں آیا کرتے۔'' اس آدمی نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا۔

''کچھ بھی ہو، مگر اب میں اس کام میں تمہاری مدد نہیں کروں گا۔'' چھوٹو نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''تم ہم سے پانچ ہزار روپے لے چکے ہو۔ اس کے عوض تمہیں جب تک ہم مانگیں لاشیں دینی ہوں گی۔'' اس آدمی نے تقریباً غراتے ہوئے کہا۔ چھوٹو کا سر جھک گیا۔ لیکن اس

کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اسے یہ بات اچھی نہیں لگی۔

''تم صرف باہر کی نگرانی کرو۔ ہم اپنا کام کر لیں گے۔'' اس نے کسی قدر تُرش لہجے میں کہا اور پھر اپنے آدمیوں کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔

''وہ قبر کہاں ہے؟'' اس نے چھوٹو سے سوال کیا۔ چھوٹو نے دور سے اشارے سے وہ قبر بتا دی اور خود وہیں ٹھہر گیا۔ پھر وہ ٹہلتا ہوا مسجد کی طرف چلا گیا۔

قبر کے نزدیک پہنچ کر وہ لوگ اس کے آس پاس اس باریک نلکی کا سرا تلاش کرنے لگے۔ وہ انھیں ایک طرف مٹی میں دبا نظر آیا۔ اوورکوٹ والے نے اشارہ کیا۔ جس پر دوسرے آدمی نے اندر کی جیب سے ایک ربڑ کی پکّی نکالی اور اس کے منہ سے نلکی کا سرا منسلک کر کے پکّی کو دبا دیا۔ پکی پچک گئی اور اس کے اندر موجود سیال یا مادہ نلکی کے راستے قبر میں چلا گیا۔ اس عمل کے ساتھ ہی اوورکوٹ والا آدمی اپنی کلائی کی گھڑی دیکھتا رہا۔

سیکنڈ کی سوئی جب ایک پورا سرکل طے کر چکی تو اس نے انھیں اشارہ کیا۔ پھاوڑے والے نے قبر کی مٹی ہٹانی شروع کر دی جو گیلی ہونے کی وجہ سے بآسانی ہٹائی جا سکی۔ قبر سے لاش نکالنے میں انھیں زیادہ وقت نہ لگا۔ اسٹریچر کھول دیا اور وہ اس پر اسے لٹا کر اسی تنگ پچھلے دروازے سے باہر نکل گئے۔ اوورکوٹ والا چھوٹو بھائی کے گھر طرف بڑھا۔ اس وقت اسے مسجد کی طرف سے چھوٹو آتا ہوا دکھائی دیا۔

''کہاں ہے وہ؟''

''آیئے۔''

وہ اس کی رہنمائی کرتا ہوا پانی والی کے گھر تک اسے لے گیا۔ ان کے آواز دینے پر دروازہ کھل گیا۔ وہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔

''کیا حال ہے؟'' چھوٹو نے پانی والی سے پوچھا۔

''اس کمرے میں ہے۔ غفلت میں بڑبڑا رہی ہے۔ بخار بہت تیز ہے۔'' وہ

دوسرے کمرے کی طرف اشارہ کرتی ہوئی سرگوشی کے لہجے میں بولی۔وہ دونوں اس کمرے میں داخل ہو گئے۔اور پانی والی بڑا سا منہ بنا کر اپنے بستر پر جا لیٹی۔لڑکی بخار میں بڑبڑا رہی تھی۔

''میں جنت میں نہیں جاؤں گی۔میں نے مردوں کو ستایا ہے۔مجھے معاف کر دو۔ میں مرنا نہیں چاہتی۔وہ،وہ دوسرے لوگ ہیں۔وہ...وہ..''

مگر اسی وقت اوورکوٹ والے نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔وہ اور چھوٹو ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔

''تھوڑا سا پانی لاؤ۔''اس نے چھوٹو سے کہا۔اور وہ فوراً ہی پانی لینے چلا گیا۔اس عرصے میں اس آدمی نے جیب سے ویسی ہی ایک شیشی نکالی،جیسی خود اس لڑکی نے کھدی ہوئی قبر کے کنارے نکال کر پانی میں اس کا سیال ملایا تھا۔اور اسے کھول کر اس نے ایک ہاتھ سے لڑکی کی ناک تھامی اور دوسرے ہاتھ سے وہ سیال اس کے حلق میں انڈیل دیا۔وہ اپنے ہوش میں نہ تھی۔اس نے تھوڑی دیر گردن ہلائی،مگر پھر وہ سیال اس کے حلق میں اتر گیا۔خدا جانے کیا اثر تھا اس کا کہ وہ تڑپنے لگی۔ہائے ہائے کی آواز سے پانی والی بھی جاگ اٹھی اور اس کی بچیاں بھی۔چھوٹو گھبرایا ہوا پانی لے کر آ پہنچا۔

''اسے سرسامی کیفیت ہے۔''اوورکوٹ والے نے اس کو بتایا۔پھر لڑکی کو چمکارنے لگا اور اسے پانی پلانے کی کوشش کرنے لگا۔

''پی لو،ملینا،تھوڑا سا پانی پی لو۔''

مگر لڑکی اس زور سے چیخ کر اچھلی کہ پانی کا گلاس فرش پر گر پڑا۔وہ تڑپ کر پلنگ سے زمین پر آ گری اور ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگی۔

''میں جاتا ہوں۔تم اسے اسپتال لے جاؤ۔یاد رہے یہ ایک لاوارث لڑکی ہے جو سہارا ڈھونڈتے ہوئے تمہارے پاس آ پہنچی تھی۔''اس نے چھوٹو بھائی کو ہدایت کی اور خود تیزی سے باہر نکل گیا۔چھوٹو کا دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے۔ڈاکٹر کے

Akram Allahabadi

بلانے کی اس کی جرأت نہ ہوئی۔

جب وہ عقبی دروازے سے باہر نکلا تو وہ سیاہ اسٹیشن ویگن آگے نصف فرلانگ کے فاصلے پر کھڑی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ تیز رفتار سے چلتا ہوا لپک کر اس اسٹیشن ویگن میں بیٹھ گیا۔

اسٹیشن ویگن کے روانہ ہوتے ہی اس دروازے سے ایک اور سایہ نکلا۔ اس نے حلق سے کسی کتے کے رونے جیسی آواز نکالی جس کے چند سیکنڈ بعد ہی پیچھے کافی فاصلے پر فٹ پاتھ کے کنارے تاریکی میں کھڑی ایک ٹیکسی کی ہیڈ لائٹس اچانک روشن ہو کر بجھ گئی۔ پھر وہ ٹیکسی اس کے قریب آ کر رک گئی۔ وہ اس میں بیٹھ گیا اور کار چل پڑی۔

☆☆☆☆☆☆

چھوٹو ابھی اسی تذبذب میں مبتلا تھا کہ کیا کرے کیا نہ کرے کہ ایک بار لڑکی زور سے چیخی۔ اور پھر اس کے ہاتھ پیر اکڑنے لگے۔ دانت بیٹھ گئے اور آنکھیں حلقوں سے باہر نکل آئیں۔ بوڑھی پانی والی جب تک پانی لے کر دوڑے اس نے چند ہچکیوں میں دم توڑ دیا۔ چھوٹو کو پسینہ چھوٹ پڑا۔ اس کی عقل جواب دے گئی۔ نہ وہ اس کی موت کی اطلاع پولیس کو کرنے کی جرأت کر سکتا تھا، نہ ہی اس کی لاش کو ٹھکانے لگانے کی کوئی صورت اس کی سمجھ میں آ رہی تھی۔

"پانی والی، دیکھو، ہم سب پھنس جائیں گے۔"

"تو پھر کیا کریں؟ آپ ہی کوئی رستہ نکالیے۔ اوخدا! یہ کیا ہو گیا۔ بے چاری غریب۔ میں تو کہتی ہوں وہ سچ کہتی تھی۔ بیچ والی قبر والے بابا اسے جنت میں لے گئے۔"

"بابا۔" چھوٹو اس خیال سے ہی لرز اٹھا۔ نہ جانے کیوں اس کا جی چاہا کہ جا کر پولیس کو سب کچھ بتا دے۔ مگر پھر اس خوف نے اس کے پیر تھام لیے کہ قانون اس کا کیا حشر

Akram Allahabadi

کرے گا۔ لے دے کے اسے صرف ایک ہی صورت نظر آئی اور اسی کے لیے اسے تیار ہونا پڑا۔ پولیس می جانے کے خوف سے پانی والی نے بھی اپنی بچیوں کو دوسرے کمرے میں بند کر کے اس کی مدد کی۔ وہ اس کی لاش کو، جسے آدمی نے ملینا کہہ کر مخاطب کیا تھا، اٹھا کر چپکے سے اندھیرے میں اس کھدی ہوئی قبر کے پاس لے گئے، جس کا مردہ لے کر وہ تینوں جا چکے تھے۔ وہ اسے اس قبر میں اتارنا چاہتے تھے کہ اچانک ایک تمتماتی ہوئی نارچ لائٹ چھوٹو کے چہرے پر پڑی اور اس کے ہاتھ کانپ گئے۔ پانی والی نے بھی چیخ ماردی اور لاش چھوٹ کر نیچے گر پڑی۔ سادہ لباس آدمیوں نے جو اپنے لباس سے کوئی آوارہ گرد نشہ باز معلوم ہو رہے تھے، دوڑ کر اسے تھام لیا۔ نارچ والا آدمی سامنے آ گیا۔ چھوٹو اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ نام سے تو واقف نہ تھا، مگر یہ جان گیا کہ یہ وہی پولیس آفیسر ہے جو آدھی رات کو کھدی ہوئی قبر کے بارے میں باز پرس کرنے آیا تھا۔

''مم...میرا کوئی قصور نہیں، صاحب۔ یہ بخار سے...یعنی سرسام سے مری ہے۔ یہ ڈر گئی تھی۔'' وہ پیچھے ہٹتا گیا اور کہتا گیا۔

''تو اس طرح چوری چھپے اسے کسی دوسرے کی قبر میں گاڑنے کیا کیا ضرورت تھے؟' خان نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ ہم نے اسے سہارا دیا تھا۔''

''اور اس قبر کا مردہ کیا اٹھ کر تمہاری جیب میں گھس گیا ہے؟''

''وہ...وہ...'' چھوٹو سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اس نے خوف سے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا پھر اچانک جست کی اور پختہ قبر کے پیچھے جا گرا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر قبروں کی آڑ لیتا کسی لومڑی کی طرح زمین پر جھکتا بھاگا۔ مگر ابھی عقبی دروازے تک پہنچا ہی تھا کہ کسی نے جھٹکے سے دروازہ کھولا اور اس زور کی ٹھوکر اس کے پیر پر ماری کہ وہ پیر پکڑ کر وہیں بیٹھ گیا۔ وہ انسپکٹر ڈی سوزا تھا، جس نے فوراً ہی چھوٹو کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی۔ پانی والی دہائی دینے

گئی۔لیکن اسے بھی حراست میں لے لیا گیا۔البتہ ان کی بچیوں کو اس کے گھر سے نکلوا کر خان نے کانسٹیبلوں کے حوالے کر دیا کہ انھیں بہلا پھسلا کر خاموش رکھیں۔

''مگر وہ لاش؟''ڈی سوزا نے پوچھا۔

''بابا سفید ریش اس کے پیچھے گئے ہیں۔اس کام سے انھیں ہی نپٹنے دو۔''خان نے ہنس کر کہا۔

جب وہ باہر نکلنے لگے تو دروازے پر موجود لوگ حیرت سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ان کی سمجھ میں ہی نہ آسکا کہ کیوں ان لوگوں کو گرفتار کیا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

کپڑے کی لاش

اسٹیشن ویگن ویران سڑکوں پر ہی دوڑتی رہی۔اس نے آبادی سے باہر کی سونی سڑکیں ہی منتخب کی تھیں، جہاں انھیں گشتی پولیس والوں کا خوف نہ تھا۔ٹیکسی کافی فاصلے سے اس کا پیچھا کر رہی تھی۔اور کیوں کہ اس کی ہیڈ لائٹس بجھی ہوئی تھیں، اس لیے اسٹیشن ویگن والوں کو ابھی تک خبر بھی نہ ہوئی تھی۔

پل آخر مختلف سونی سڑکیں عبور کر کے جمپور پہنچ گئی۔جمپور اور دھاروی کو ملانے والے پل کو عبور کر کے چوراہے پر اسٹیشن ویگن داہنی سمت گھوم کر ایک چھوٹے سے بنگلے کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوگئی۔یہ بنگلہ دوسری عمارتوں سے علیٰحدہ ایک طرف کونے میں بنا ہوا تھا۔

سفید ریش بزرگ نے اپنی ٹیکسی دور رکوائی اور اسے اندھیرے میں گاڑی کھڑی رکھنے کی ہدایت کر کے خود کمپاؤنڈ کی دیوار سے چپک گیا۔

وہ لاش اسٹیشن ویگن کے پچھلے حصے سے اسٹریچر سے اتاری جا رہی تھی۔پھر وہی دو آدمی اسے لے کر بنگلے کے دالان میں داخل ہو گئے۔تیسرا اوورکوٹ والا آدمی جیسے ہی باہر آنے لگا تو سفید ریش نے جست کر کے دیوار عبور کی اور اندر کود کر تیزی سے اس گاڑی کی آڑ میں چھپ گیا۔اوورکوٹ والے نے دروازے سے نکل کر ایک بار دائیں بائیں سامنے دیکھا اور یہ اطمینان لینے کے بعد کہ انھیں دیکھنے والا کوئی بھی نہ تھا اس نے واپس احاطے میں داخل ہو کر لوہے کا دروازہ بند کر لیا۔اب وہ بھی دالان میں داخل ہو گیا۔

سامنے ایک موٹا سا لکڑی اک دروازہ تھا جو اب کھل چکا تھا۔اندر جا کر اوورکوٹ والے نے اسے بھی اندر سے بند کر لیا۔

لے دے کے صرف ایک پائپ ہی اوپر کی روشنی والی کھڑکی تک پہنچنے کا سہارا رہ گیا

تھا۔لیکن ایسا کرتے ہوئے شاید سفید ریش کے سفید کپڑے اور داڑھی وغیرہ دور سے کسی راہ چلتے کو نظر آجاتے اس لیے اس نے داڑھی نکال کر جیب میں رکھ لی اور سفید عبا کو تار کر داڑھی سمیت تہ کر کے ایک تاریک کونے میں پھینک دیا۔اندر سے وہ سیاہ جرسی پہنے ہوئے تھا۔کھڑکی تک وہ پہنچ ہی گیا۔کھڑکی بند تھی۔لیکن اس پر اندر کی روشنی کا عکس پڑ رہا تھا۔اس نے دھندلے شیشے میں سے جھانکنے کی کوشش کی مگر اندر کا کچھ دکھائی نہ دیا تو وہ کھڑکی کے اوپر روشن دان سے لٹک گیا۔بازوؤں کے زور پر اونچے اٹھتے ہوئے اس نے روشن دان سے اندر جھانکا۔

وہاں ایک آدمی سر سے پیر تک برقعہ پہنے موجود تھا۔اس کے ہاتھوں پر سفید دستانے تھے۔چہرے کے حصے میں صرف دو گول کٹاؤ تھے،جن کی آڑ سے اس کی روشن آنکھیں جھانک رہی تھیں۔اسی وقت وہ دونوں آدمی بھی ویسے ہی برقعے پہنے آپہنچے۔چوتھا آدمی وہی لمبا اوور کوٹ والا تھا جو دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔درمیان میں ایک لمبا سا ریفریجریٹر نما سفید صندوق سا رکھا تھا،جس میں اس لاش کو لٹا دیا گیا تھا۔اس کے نزدیک ایک تختہ دیوار سے منسلک تھا،جس میں کئی میٹر لگے تھے۔ایک بڑا سوئچ بھی تھا۔ان میٹروں کے درمیان ایک ٹمپریچر چارٹ تھا۔

''تم نے یہ اچھا نہیں کیا۔اب مصیبت گھر دیکھ لے گی۔پولیس ضرور اب ان معاملات میں کود جائے گی۔''سفید برقعے والا کہہ رہا تھا۔

''اس سے زیادہ برا تو وہ ہوتا جب ہذیان بکتے ہوئے ملینا سارا راز منکشف کر دیتی۔''

''تو اسی کو یہاں اٹھا لائے ہوتے۔ہمیں ابھی پھر اس کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔دوائیں بھی اب ختم ہو رہی ہیں۔''سفید برقعے والے نے ترش لہجے میں کہا۔

''تب تو سوچنا پڑے گا۔''

''اس لاش کو چھوڑ کر اب صرف ایک اور شکار کیا جا سکتا ہے۔''وہ بولا۔

''تو کیوں نہ اب کی بار پروفیسر کو ہی شکار کرلیا جائے۔اسے پاگل رکھنے کی ضرورت بھی ختم ہوجائے گی۔''اوورکوٹ والے نے مشورہ دیا۔

''تمہیں یقین ہے کہ تمہارا کام اطمینان سے ہوا ہے۔''سفید برقعے والے نے پوچھا۔

''یقین نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔چھوٹو کو ہمارا پتا معلوم نہیں۔اس سے پانچ ہزار روپیوں پر معاملہ ہوا تھا۔ملینا مرچکی ہے۔اور وہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔پھر اور کس بات کا خطرہ ہوسکتا ہے؟''

''پھر بھی اب جلد از جلد اس کام کو بند کردینا چاہیے تاکہ حالات سرد پڑجائیں۔اگر ہمیں دواؤں کی مزید مقدار نہ ملی تو پھر ہم افریقہ چل کر دوسرے ڈھنگ سے کام کریں گے۔'' سفید برقعے والے نے کہا۔''ان مُردوں کی بدولت اب ہمیں کافی رقم ملنے والی ہے۔''

''پروفیسر کو اب وہ دوا کون دے گا؟اس بار تو پوری مقدار دینی ہے۔''اوورکوٹ والے نے پوچھا۔''اور ملینا تو اب رہی نہیں۔''

''میں کل صبح ۱۰ بجے خود اس سے ملے جاؤں گا اور کسی طریقے سے اسے وہ دوا پلا دوں گا۔''برقعہ پوش بولا۔

''اوکے،باس۔لیکن اس آدمی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''

''یہ بھی دل کا مریض تھا۔ڈاکٹر کیشو کے یہاں پچھلے دو تین سے آرہا تھا۔اس نے میرے سامنے ڈاکٹر کو پیش کش کی تھی کہ اگر وہ اسے اچھا کردے تو وہ اس کو دس ہزار روپے دے گا۔افریقہ میں اس کی بہت بڑی تیل کی کمپنی ہے،جس کا یہ اکیلا مالک ہے۔''برقعہ پوش نے سفید کفن سے ڈھکی لاش کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

''تب تو ہمارے وارے نیارے ہوجائیں گے۔''اوورکوٹ والے نے خوش ہوکر کہا۔

Akram Allahabadi

''چلوا سے ٹمپریچر چیمبر میں رکھدو۔'' برقعہ پوش نے دونوں آدمیوں کی طرف اشارہ کیا۔

انھوں نے اس باکس کو بند کردیا اور اس کے ساتھ منسلک تاروں کے پلگ بورڈ میں لگا کر سوئچ آن کردیا۔ اس کے بعد وہ تینوں وہاں سے ہٹ کر دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بالے نے روشن دان سے اندر ہاتھ لٹکا کر کھڑکی کی سٹکنی کھول دی۔ اور آہستہ سے اندر کھسک گیا۔ کھڑکی دوبارہ بند کر کے وہ ایک الماری کے پیچھے کھڑا ہوگیا۔ مگر نہ جانے کیوں اسے اس خیال سے جھرجھری سی آگئی کہ اس کمرے میں قبروں سے نکال کر مردے لائے جاتے رہے ہوں گے۔ انھیں یہاں رکھا جاتا رہا ہوگا۔

تقریباً دس منٹ کے بعد وہ تینوں واپس لوٹے جو سفید برقعے پہنے تھے۔ اوورکوٹ والا واپس نہیں آیا۔ وہ تینوں ریفریجریٹر نما صندوق کے نزدیک آکر کھڑے ہوگئے۔ ان میں سے پستہ قد کے آدمی نے جوان کا باس ہی تھا، بورڈ ٹمپریچر چارٹ کو دیکھا۔ اس پر پارہ ۱۱۵ ڈگری تک پہنچا ہوا تھا۔

''دوا لاؤ۔'' اس نے ایک کو اشارہ کیا، جو دوسرے کمرے میں جا کر ایک لمبی پتلی شیشی اٹھا لایا جس میں زرد سیال بھرا ہوا تھا۔ میز پر ایک طشت رکھا تھا جس میں دو سیرنج رکھے تھے۔

''انجکشن۔'' اس نے دوسرے کو حکم دیا۔ دوسرے نے سیرنج اس سیال سے بھر لیا۔ باس نے پہلے آدمی کو اشارہ کیا جس نے ایک دیوار گیر سوئچ دبا دیا۔ کمرے کی بتیاں بجھ گئیں اور ان کی جگہ ایک بہت مدھم سی روشنی چھت میں لگے ایک گول فریم سے نیچے پڑنے لگی۔ اور اس روشنی میں جس پر اندھیرا غالب تھا، یہ سفید برقع پوش آسیب یا روحوں جیسے معلوم ہو رہے تھے۔ دھندلے اجالے اور گھنے اندھیرے کے امتزاج میں ان کے سینے کے اوپر کے حصوں پر روشنی کا جو پھیکا عکس پڑ رہا تھا اس نے انھیں اور بھیانک بنا دیا تھا۔

''ہاں اب لگا و انجکشن اسے،ٹمپریچر ہوگیا۔اوراس کی کلائیوں میں برقی جھٹکوں کے کلیمپ بھی چڑھادو۔''باس نما آدمی نے حکم دیا۔جس پر ایک برقعہ پوش نے بڑھ کر جھٹکے سے ڈھکن کھولا۔دوسرے نے مردے کے چہرے کی طرف سے کفن اٹھایا۔مگر حیرت سے دونوں کی چیخ نکل گئی۔ان کا باس آگے بڑھ کر دیکھنے لگا۔یکا یک اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔

''بے وقوفو!یہ کیا اٹھا لائے۔یہ اس آدمی کا مردہ ہے؟وہ تقریباً چیخ اٹھا۔یہ سنتے ہی وہ لمبے اوورکوٹ والا اندر آ پہنچا۔

''کیا ہوا؟''

''تمہارا سر۔یہ کیا تمہارا مردہ ہے؟''باس نے غضبناک لہجے میں کہا۔اس نے بھی جھک کر دیکھا۔اس میں کپڑے کی بنی ہوئی ایک پورے قد و قامت کے آدمی کی ڈمی کفن میں لپٹی رکھی تھی۔اس نے غصے میں اسے باہر نکال کر پھینک دیا۔

''کس کی حرکت ہو سکتی ہے یہ؟''وہ بڑبڑایا۔

''بے وقوف،یقیناً اس وقت اس عمارت کو چاروں طرف سے پولیس نے گھیر رکھا ہوگا۔''ان کا باس بڑبڑایا۔

''نہیں۔ہمارے پیچھے کوئی نہیں آیا۔اور باہر میں خود دیکھ کر آیا ہوں۔کسی ذی روح کا نام ونشان نہیں۔''اس نے کہا۔

''چلو،اسی وقت یہ جگہ چھوڑ دو۔''ان کا باس اٹھ کھڑا ہوا۔''پولیس اگر ابھی تک نہیں پہنچی ہے تو اب پہنچتی ہوگی۔ممکن ہے انھوں نے قبرستان کے پیچھے کے دروازے کی طرف دھیان نہ دیا ہو۔''

''صرف اس ٹمپریچر کو ساتھ لو،بس۔اور کچھ نہیں۔''اس نے حکم دیا۔''جلدی کرو۔''

''چنانچہ انھوں نے پلگ نکال کر اس وزنی ریفریجریٹر نما صندوق کو اٹھایا۔باس کمرے سے چلا گیا۔با لے چاہتا تو اچانک انھیں گرفت میں لے سکتا تھا۔مگر معاملات ابھی

Akram Allahabadi

تک صاف نہیں ہوئے تھے۔سراغ نامکمل تھا۔اس نے خموشی سے ان کا پیچھا کرنے میں بہتری سمجھی اور آرام سے باہر نکل کر پائپ ہی سے نیچے اتر گیا۔تب ان کی اسٹیشن ویگن باہر نکل رہی تھی۔پھاٹک مقفل کر دیا گیا۔مگر اس گاڑی کی روانگی کے بعد بالے دیوار پھاند کر باہر آ گیا۔اس نے وہی کتے کے رونے کی آواز نکال کر ٹیکسی کو تاریکی سے بلوالیا اور پھر ان کا پیچھا کرنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

عین وقت پر

دوسرے دن سویرے وہ خان کے ساتھ کار میں بیٹھا ہوا تھا اور کارکروز کے آفس کی طرف جا رہی تھی۔ اسے نیند کی جھپکیاں آ رہی تھیں، مگر ہر بار خان کھنکار دیتا اور وہ چونک پڑتا۔

''آپ کو ضرور ضجام ہوگیا ہے، ارے، زکام ہوگیا ہے۔ آپ وکس ویپورب کھایئے۔'' اس نے خان کو مشورہ دیا۔

''تم نے اب کی بار جھپکی لی تو میں تمہارا سر ڈیش سے ٹکرا دوں گا۔''

''کیوں نہیں۔ اب میرا سر بھی سرکار ہوگیا، جہاں جی چاہے استعمال فرما دیجیے۔'' بالے بولا۔

''اکثر رات کو بھاگ دوڑ میں تمہارا یہ حال ہوسکتا ہے تو تم سراغ رسانی پتھر کروگے۔''

''میں کان پکڑ کر توبہ کرتا ہوں۔ اس شان دار ذمہ داری کی وجہ سے تین دن سے کس کمبخت کی آنکھ لگی ہے۔ مجھ سے تو وہ بیچ والے مزار کے بابا بھلے، ٹھاٹ سے برسوں کی نیند سو رہے ہیں۔''

''اپنے ہونے والے بال بچے کس کے نام لکھو گے؟''

''بچے آپ کے سپرد کردوں گا اور بال کٹوا دوں گا۔''

''بس اب تھوڑی سی کسر رہ گئی ہے۔ چند گھنٹوں کی بات ہے۔'' خان نے کہا۔

''وہ کسی پروفیسر کا ذکر کر رہے تھے۔ پاگل بنا رکھا ہے جسے۔ میں ذہن پر زور دے رہا ہوں، مگر سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''تمہاری سمجھ پر سینڈل پڑ گئے ہیں اونچی ایڑی کے۔ ورنہ بالی والا تمہیں ضرور یاد

آتی۔"

"باٹلی والا؟"

"تم نے کو کچھ بتایا ہے اس سے تو یہی نتیجہ نکل سکتا ہے۔بہر حال ایک منظر ابھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔"

"جی نہیں، میں کانوں سے دیکھوں گا۔میری آنکھیں درد کرنے لگی ہیں۔"

"تم اسے جنت میں لے جا رہے تھے نا اپنے ساتھ۔"

"وہ ایڈوانس بک ہو گئی تو میں کیا کروں۔"

خان نے کار کروز کے آفس کے احاطے میں داخل کر دی۔اس وقت صبح کے ۲ بجے تھے۔کروز خود وہاں موجود تھا۔خان نے اس سے ہاتھ ملایا۔دونوں ٹہلتے ہوئے، مردہ گھر میں داخل ہو گئے۔

"کیا رہا؟"

"منہ سے بہت تیز قسم کی ایمونیا کی بو آ رہی ہے۔" کروز نے بتایا۔

لاش ایک میز پر رکھی ہوئی تھی۔کروز نے اس کے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا۔خان جھک کر سونگھا۔بو ابھی تک آ رہی تھی اور خاصی تیز تھی۔

"ایسی ہی بو ان قبروں کی مٹی سے آتی تھی۔اتنی تیز تو نہیں لیکن بو یہی تھی۔" خان نے بتایا۔

"اس سے کچھ عرصے تک لاش کو شدید حدت کے باوجود سڑنے گلنے سے روکا جا سکتا ہے۔" کروز نے بتایا۔

"تو اس کی موت اسی سیال سے ہوئی ہے۔"

"ہاں۔ممکن ہے اسے شدید بخار رہا ہو۔اس کیفیت میں یہ چیز اسے پلا دی گئی ہو۔اس سے خون کا دوران تیزی سے اتنا بڑھ جائے گا کہ آدمی دم توڑ دے گا۔" کروز نے بتایا۔

''تب تو بالکل یہی ہوا ہے۔'' خان نے سر ہلایا۔ پھر کچھ مدت بعد اس نے کروز سے پوچھا۔ ''کوئی لڑکی نہیں آئی یہاں ابھی؟''

''تو یہ بات ہے؟'' بالے نے پوچھا۔

''کیا؟'' خان نے گھوم کر پوچھا۔

''آپ آج کل لڑکیوں کا انتظار کیا کرتے ہیں۔''

''تقدیر اپنی اپنی، اس میں جلنے کی کیا بات ہے۔'' خان نے ہنس کر کہا۔

''تقدیر تو کیا تدبیر ہوگی۔ کسی بدنصیب کو بے وقوف بنایا ہوگا آپ نے۔'' بالے نے جل کر کہا۔

''لو آ گئی وہ بدنصیب۔'' خان نے بالے کی طرف اشارہ کیا۔

بالے، باٹلی والا کو دیکھ کر چونک پڑا۔

''ہیلو، آپ یہاں؟'' اس نے بالے کو دیکھ کر کہا۔

''جی ہاں، آپ کے نئے دوستوں کی فہرست دیکھنے آیا تھا۔'' بالے نے منہ بنا کر کہا۔

''دوست؟ اوہ، سپرنٹنڈنٹ خان صاحب نے تو مجھے کسی لاش کی شناخت کے لیے بلایا ہے۔ حالاں کہ میرا دل پہلے سے ڈر رہا ہے۔ لاشوں کو دیکھ کر مجھے بڑی وحشت ہوتی ہے۔'' وہ بولی۔

''آیئے، پہلے کام کی بات۔'' خان نے اسے اندر چلنے کا اشارہ کیا۔

وہ کچھ جھجکی ہوئی سی اندر مردہ گھر میں داخل ہوئی۔ خان ے لاش کے سرہانے سے کپڑا الٹ دیا۔ وہ چونک پڑی۔

''ملینا۔'' اس کے منہ سے حیرت سے نکلا۔ ''یہ کہاں ملی آپ کو؟ ہمارے گھر سے تو چار دنوں سے غائب تھی۔''

''یہ آپ کی خاص ملازمہ تھی نا؟''

''ہاں۔کیوں؟''

''بس یہی پوچھنے کو بلایا تھا۔رات اس نے خودکشی کرلی ہے۔''

''خودکشی؟''اسے اور زیادہ حیرت ہوئی۔وہ کچھ سوچ میں پڑ گئی۔

''شاید،شاید وہی معاملہ ہوگا۔''وہ بڑبڑائی۔

''کون سا؟''خان نے فوراً پوچھا۔

''ہمارے وکیل صاحب سے اس کا کچھ رومان چلا تھا۔مگر شاید کچھ عرصے سے دونوں میں کچھنا چاتی ہوگئی تھی۔''اس نے بتایا۔

''آپ کے وکیل صاحب،یعنی...؟''

''ہزاری لال۔''

''ہزاری لال؟'' خان اور بالے دونوں چونک پڑے۔''تو کیا وہ آپ کے ڈیڈی،میرا مطلب ہے پروفیسر صاحب کا وکیل ہے؟''

''جی ہاں۔وہ تو اس وقت بھی ڈیڈی کے ساتھ ناشتہ کر رہا ہوگا۔انھوں نے منہ لگا رکھا ہے،ورنہ میں تو اسے اچھا آدمی نہیں سمجھتی۔''

باٹلی والا نے جیسے ہی کہا ویسے ہی خان کلائی کی گھڑی دیکھی۔اس میں ۹ بج کر ۲۵ منٹ ہوگئے تھے۔

''اوہ۔تو شاید جلدی پہنچ گیا۔''وہ چونک کر بولا۔''چلو،بالے۔وہ تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

''مگر میں؟''باٹلی والا نے کہا۔

''آپ بھی آیئے۔آپ کے ڈیڈی کی زندگی خطرے میں ہے۔''خان نے کہا۔

اس وقت کروز فائل لیے آپہنچا۔

''معاف کیجیے گا۔ایک بہت ضروری معاملہ درپیش ہے۔ایک جان خطرے میں ہے۔ میں یہ فائل لیے جاتا ہوں۔ دیکھ کرواپس کردوں گا۔''خان نے اس سے معذرت طلب کی۔

''شوق سے۔''کروز نے کہا۔

خان اور بالے کار میں بیٹھ گئے۔باٹلی والا اپنی کار میں بیٹھی اور دونوں کاریں تیزی سے روانہ ہوگئیں۔

وہ جس وقت اندر داخل ہورہے تھے،خان نے برآمدے میں دیکھا، ہزاری لال اور سرگھیگھیاس دونوں تنہا ناشتے پر بیٹھے تھے اور ہزاری لال انھیں کچھ پلانے پر اصرار کررہا تھا۔یہ شیشے کے گلاس میں زردسا سیال تھا،خفیف سا زرد۔

''بہت تیز اور سوسال پرانی ہے۔اسکاٹ لینڈ کی ہے۔کل ہی ایک جہاز کے کپتان نے مجھے تحفتاً دی تھی۔آپ کو دکھانے لایا ہوں۔''وہ کہہ رہا تھا۔مگر سرگھیگھیاس جن کا دماغ اس وقت کچھ ٹھکانے تھا،تکلف کررہے تھے۔

''نہیں بھئی،صبح صبح مجھے شراب پینا اچھا نہیں لگتا۔''

''صرف ایک ہی پیگ جتنا تو ہے۔دن بھر سرور رہے گا اس کا۔''ہزاری نے اصرار کیا۔جس پر سرگھیگھیاس نے آخر گلاس ہاتھ میں لے لیا۔وہ اسے منہ کی طرف لے جارہی رہے تھے کہ خان کے پستول سے ایک فائر ہوا اور شیشے کا گلاس چورچور ہوگیا۔شیشے کا ایک ٹکڑا گھیگھیاس کے ہاتھ میں بھی لگا۔ہزاری لال اٹھ کھڑا ہوا۔

''کون ہے یہ بدتمیز؟''سرگھیگھیاس چیخے۔اسی وقت دوڑتی ہوئی باٹلی والا اندر آگئی۔ہزاری لال دروازے سے کھسکنا ہی چاہتا تھا کہ بالے نے جست کی اور اسے زمین پر گرا کر دبوچ لیا۔مگر وہ بلا کا پھرتیلا نکلا۔اس کی گرفت سے اس طرح سٹک گیا جیسے چکنی مچھلی۔ وہ دروازے کی طرف دوڑا اور قریب تھا کہ جست مار کر باہر ہوجائے کہ خان نے فرش پر بچھے

ہوئے قالین کا سرا تھام کر جو جھٹکا دیا تو وہ اوندھا گر پڑا۔ اور بالے کے گھونسے نے ہزاری لال کو دس ہزار تارے دکھا دیے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے آخر؟" سر کھیکھیاس چیخے۔

"آپ کی جان بچائی جا رہی ہے ورنہ آپ بھی قبرستان پہنچتے۔" بالے نے جواب دیا۔

"کیسی جان؟ کس سے؟ کون ہے میرا دشمن؟"

"یہی ہزاری لال، مردہ لاشوں سے بزنس کرنے والا۔"

"یہ بکواس ہے۔ یہ جھوٹ ہے۔" ہزاری لال چیخا۔

"اور سیال کی جو شیشی جو تمہاری جیب میں ہے، یہ بھی جھوٹ ہے؟ یہ اسکاٹ لینڈ یارڈ کی سو سال پرانی وہسکی ہے نا؟" خان نے اس کی جیب سے شیشی نکال لی۔ "سر کھیکھیاس، اس کی ذرا سی مقدار آپ کو دودھ یا پانی میں یا کسی شے میں ملا کر پلا دی جائے تو ہر تھوڑی دیر بعد آپ کا خون جوش مارے گا اور آپ پاگلوں جیسی حرکتیں کریں گے۔ لیکن اگر زیادہ مقدار دے دی جائے تو خون میں حرارت اس قدر بڑھ جائے گی کہ اس کے دباؤ سے آپ کی موت واقع ہو جائے گی۔" خان اسے بتانے لگا۔

"مگر، مگر یہ تو شراب ہے۔" سر کھیکھیاس نے یقین نہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ جمے ہوئے خون کو پگھلا دیتی ہے، سر کھیکیاس۔ مردوں کو زندہ کر دیتی ہے۔"

خان نے شیشی ان کی آنکھوں قریب کر دی۔

"تعجب ہے۔ مگر ہاں ہو سکتا ہے۔ میں جب افریقہ میں تھا تو وہاں کے ایک جنگلی قبیلے کا جادوگر یا روحانی حکیم، جسے وہ لوگ میڈیسن مین کہتے ہیں، ایسے جادو کے زور سے مردے جلا دیا کرتا تھا، جو لڑائی میں لڑ کر مرے ہوں، یا جن کی حرکت قلب بند ہو گئی ہو۔" سر کھیکھیاس کو جیسے یاد آ گیا۔ "مم... مگر... کہیں یہ دوا..." یہ کہتے ہوئے وہ تیزی سے اٹھ کھڑے

Akram Allahabadi

ہوئے اور اپنی مطالعہ گاہ کی طرف لپکے۔ وہ دو منٹ سے بھی کچھ کم عرصے میں واپس آئے۔ ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

''ہزاری لال، آج مجھے یاد آ رہا ہے۔ آج مجھے یاد آ رہا ہے کہ اسی دوا کے بارے میں میں نے صرف تجھے بتایا تھا، جب میں افریقہ سے آیا تھا۔ سو رہ، تو نے ہی وہ دوا یہاں سے چُرائی ہے۔ میں اسے سونے کے سوسکوں کے عوض اس جادوگر سے خرید کر لایا تھا۔ ضرور یہ وہی دوا ہے۔'' وہ خان کے ہاتھ سے شیشی چھین کر سونگھنے لگے۔ پھر انھوں نے سر ہلایا۔ ''ہاں، یہ وہی ہے۔ لیکن اس کمینے نے ایسی حرکت کیوں کی؟'' وہ دانت پیسنے لگے۔

''میں سمجھ رہی ہوں اب۔ یہ چوری ہزاری لال نے ضرور ملینا کے ذریعے کرائی ہوگی۔ وہی ڈیڈی کا کمرہ صاف کرتی تھی۔ اس نے ڈیڈی کے سرہانے سے چابی چرائی ہوگی الماری کی۔'' باٹلی والا بول پڑی۔ ''اس کمینے نے اپنی محبت کے جال میں پھانس رکھا تھا اور راز کھل جانے کے ڈر سے اسے اسی دوا سے مار ڈالا ہوگا۔'' وہ نفرت سے ہزاری لال کو گھورتے ہوئے بولی۔

''اتنا ہی نہیں، اس نے آپ کی دوا سے شان دار بزنس کیا ہے۔ اس نے دل کے مریضوں کی موت واقع کرائی اور پھر قبرستانوں سے ان کی لاشیں نکلوا کر انھیں ٹمپریچر چیمبر میں ڈال کر حرارت دی پھر اس دوا کے انجکشن سے ان کی رگوں میں جمے خون کو پگھلا کر دوران خون کی تیزی سے قلب کی حرکت بحال کی اور خدا کا فرشتہ بن کر نیکی کے نام پر ان سے بڑی بڑی رقمیں امداد کے مستحق اداروں کے نام سے وصول کیں۔ نصراللہ بیگ کو اپاہجوں کے ادارے کو نصف جائداد دینے کی وصیت لکھوانی چاہی اور اس وقت یہ خود وہاں موجود تھا۔ لیکن شاید اس وقت اسے معلوم نہ تھا کہ زندہ کرنے کا یہ تجربہ دیرپا نہیں ہوتا۔ اس وصیت پر دستخط کرنے سے پہلے ہی وہ دوبارہ مر گئے۔ ان کی روحوں کو خوش کرنے کے لیے اس ادارے کو ایک لاکھ کا چندہ دینے پر اکسایا اور عین موقع پر خود پونا سے فرضی نام سے تار بھیج کر انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر کو

وہاں بلوالیا اور اپنا آدمی اس کی جگہ بٹھا کر رقم وصول کر لی۔ مجھے تو جس دن بالے نے آپ پر پڑنے والے پاگل پن کے دورے کے بارے میں بتایا تھا تو میں اسے اس کا مذاق سمجھا تھا۔ مگر جب یہ مردے زندہ ہونے اور رقموں کی گڑبڑ کے کیس ہوئے تو میں نے تحقیقات کی اور تب مجھے معلوم ہوا کہ جتنے مرے، ان سب کا وکیل یہی تھا۔ اور اتفاق سے ان سب کو دل کی بیماری تھ۔ یہ چیز اس کے علم میں تھی۔ اسی لیے اس نے ایک دل کے ڈاکٹر کے کمپاؤنڈر کو پھانس کر اپنا آلۂ کار بنایا۔ اسے اسپیشلسٹ ڈاکٹر بتا کر اس سے علاج کرانے کا اپنے موکلوں کو مشورہ دیا۔ جس کے نتیجے میں اسی دوا کے ہلکے انجکشنوں سے پہلے ان کے مرض کو بڑھایا گیا اور پھر ایک دن مقرر کر کے ان کو اسی دوا سے حرکت قلب تیز تر کر کے ختم کر دیا گیا۔ میں اتنے دنوں سے اسی فکر میں لگا ہوا تھا۔ میں نے جب انسٹیٹیوٹ کے ڈائریکٹر اور منتظم کو گرفتار کروایا تو یہ اور غافل ہو گیا۔ اور جب اسی ڈاکٹر کے پاس میں نے فرضی مرض بھیجا، جس کا کمپاؤنڈر اس کا آلۂ کار تھا۔ اُس کی لمبی چوڑی باتیں سن کر یہ اس کے پیچھے پڑ گیا۔ اور اسی کے سلسلے میں اس کی شخصیت میرے سامنے آئی تھی۔ مگر اس وقت میں نے طرح دی۔ میرے آدمی نے انجکشن لینے سے انکار کر دیا تھا۔ تب اس کمپاؤنڈر نے سیال دیا تھا کہ ایک بار جی کڑا کر کے اسے پی لینے سے ہمیشہ کے لیے دل کی بیماری سے نجات مل جائے گی۔ اس نے پینے کی بجائے آستین میں گرالی اور اسی وقت چلا گیا۔ پھر اس کی موت کی خبر جب ان لوگوں کو ملی تو ان کا پلان بن گیا۔ مگر افسوس کہ انھیں اس کی قبر سے لاش کی جگہ کپڑے کی ڈمی کا آدمی لانا پڑا۔'' خان نے پورا قصہ سر گھنگھیاس اور باٹلی والا کو سنا ڈالا۔ وہ حیرت سے سنتے رہے۔ ہزاری لال کا سر جھک گیا تھا۔ اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔

''اس نے یہ کام اکیلے تو نہ کیے ہوں گے؟'' سر گھنگھیاس نے پوچھا۔

''نہیں، اس کے چار آلۂ کار اور تھے جن میں ایک آپ کی خاص ملازمہ ملینا بھی تھی۔ وہی آپ کا دوران خون تیز رکھنے کے لیے، تاکہ آپ پر پاگل پن کے دورے پڑتے

رہیں، آپ کو یہ دوا مختلف طریقوں سے بہت تھوڑی مقدار میں پلاتی رہتی تھی ۔اور بعد میں قبروں سے مردے غائب کرنے کے کام میں اس کا ہاتھ بٹانے پر مجبور ہوگئی تھی تا کہ یہ کم بخت جلدی سے کروڑپتی بن جائے اور اس سے شادی کر کے اسے کہیں اور لے جائے ۔اس نے اسے ایسے ہی وعدے کیے ہوں گے۔کیوں زپّی ۔''خان نے باٹلی والا سے پوچھا۔

''آپ بھی ان کا اصلی نام جانتے ہیں؟''بالے نے چونک کر پوچھا۔

''میں اسے بچپن سے جانتا ہوں ۔میری لڑکی کی کلاس فیلو رہی ہے ۔اور یہ تمہیں بھی جانتی ہے۔مگر بے وقوف بنا رہی تھی تمہیں، جس طرح تم اسے آرٹ کے نام پر بے وقوف بنا رہے تھے۔''خان نے بتایا۔

باٹلی والا مسکر دی۔

''زپی جوٹھہریں۔''بالے نے برا سا منہ بنا کر طنز کیا۔

''ان کے نام بہت ہیں ۔اپنے آرٹ کے مناظر کی طرح یہ اپنے نام بھی بدلتی ہیں۔''سر گھیگھیاس بول اٹھے۔''ان کا اصلی نام شیریں ہے۔''

''لاحول ولاقوۃ ۔اتنی کڑوی دوا کا اتنا میٹھا نام۔''بالے آہستہ سے بڑبڑایا۔

''کڑوی دوا ہی صحت بخش ہوا کرتی ہے، سارجنٹ۔''وہ بھی آہستہ سے بولی۔

''تو پی جاؤں۔''بالے نے دبے لہجے میں کہا۔

''حلق سے اترے گی؟''وہ پوچھنے لگی۔

''نہ اتری تو جوتوں سے اتاری جا سکتی ہے۔''خان بول پڑا۔اور دونوں سٹ پٹا کر خاموش ہو گئے۔

''ہاں تو اس کے دوسرے ساتھی کون ہیں؟ انھیں کیفر کردار کو پہنچایئے۔'' سر گھیگھیاس نے کہا۔

''وہ سورج طلوع ہونے سے پہلے پکڑے جا چکے ہیں۔اسے خبر نہ تھی اس لیے

یہاں آپھنسا۔ میں نے آپ پر اس کا اصل چہرہ منکشف کرنے کے لیے اسے ڈھیل دی تھی، ورنہ بالے رات کو ہی اس کا چوکھٹا دیکھ چکا تھا۔'' خان نے بتایا۔

''پھر بھی آپ نے مجھے خطرے میں ڈال دیا؟''

''اس کا اصل پلان یہاں ۱۰ بجے آنے کا تھا، مگر یہ پہلے ہی آ گیا۔ میں کروز کے پاس سے سیدھا یہیں آنے والا تھا۔''

''لیکن اگر یہ مجھے پلا دیتا تو؟''

''تو میں اس کا توڑ دریافت کر چکا ہوں، آپ بچا لیے جاتے۔'' خان نے جواب دیا۔

''دوسرے ساتھی کون ہیں اس کے؟'' باٹلی والا نے پوچھا۔

''ایک وہ کمپاؤنڈر، دوسرا ایک بدنام الیکٹریکل انجینئر، جس نے ٹمپریچر کا چیمبر بنایا، اس کا منشی اور وہ انجینئر جو بغیر ڈپلوما کا انجینئر ہے۔ دونوں انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر اور منتظم بنے تھے۔ بینک میں ہمیں جو حلیہ بتایا گیا تھا، وہ ان دونوں کا ہی ہے۔'' خان نے بتایا۔

''میرا تو جی چاہتا ہے کہ میں خود اسے شوٹ کر دوں۔'' سرگھیکھیاس اسے نفرت سے دیکھتے ہوئے بولے۔

''پہلے ہمیں اس پر مقدمہ چلا لینے دیجیے، پھر شوٹ کیجیے گا۔'' خان مسکرا کر بولا۔

''مگر وہ ملینا قبر میں کیا چھڑکتی تھی۔'' بالے نے پوچھا۔

''تم تو مزار والے بابا تھے، پوچھا کیوں نہیں؟'' خان نے کہا۔

''میں الّو کا پٹھا تھا، اب بتا دیجیے۔''

''کروز اس سوال کا جواب تمہارے سامنے دے چکا ہے۔'' خان نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''لے چلو اس سور کو۔'' اس نے ہتھکڑی لگاتے ہوئے ہزاری لال کو دروازے کی

طرف دھکیلا۔

"او کے سر۔" بالے نے سر گھیگھیاس کو سلام کیا۔

"بھئی آیا کرو نا کبھی کبھی، زپی کا آرٹ دیکھنے کے لیے۔" انھوں نے بالے پر چوٹ کی۔

"جی میں اپنے دوست کو بھیجوں گا۔ وہ ایسے آرٹ کے سچے قدر دان ہیں۔" بالے نے شیریں کی طرف رخ کر کے کہا۔

"ان کا خط آیا ہے۔" شیریں نے کہا۔ "انھوں نے لکھا ہے، آپ آٹھ ماٹھ پتھرے نہیں جانتیں۔ وہ تو میں نے یونہی تاریف کر دی تھی۔" شیریں نے شوکت کے لہجے میں بتایا اور سر گھیگھیاس قہقہہ مار کر ہنس دیے۔

☆☆☆ ختم شد ☆☆☆

Akram Allahabadi